ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

مُدیرِ اعلیٰ

ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ

ماہنامہ مُحدّث

لاہور پاکستان

395 | اکتوبر 2024

2 تعامل بین المسالک اور سلفی و اہلحدیث علماء کا منہج

34 کیا بدعتی شخص کے لیے ”رحمہ اللہ“ کہنا جائز ہے

39 عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔ اصل محل نزاع کیا ہے؟

جامعۃ لاہور الاسلامیۃ

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

مجلس التحقیق الاسلامی

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان لائبریری

المکتبۃ الرحمانیۃ

اساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع

خصوصیات

- ہمہ نوعیت کے موضوع پر 45 ہزار علمی و دینی کتابیں
- بین الاقوامی DDC لائبریری سکیم کے تحت مرتب شدہ
- لائبریری میں موجود کتب کو گھر بیٹھے سرچ کرنے کی آن لائن سہولت
- پاکستان میں 900 دینی رسائل وجرائد کے شماروں کا سب سے بڑا مرکز
- فاضل شخصیات اور ماہر لائبریرین کے ذریعے موضوع تک رہنمائی
- قدیم وجدید تحقیقات کے حامل جدید ایڈیشن
- عرب ممالک سے شائع ہونے والی نئی کتب کا مرکز
- فوٹو کاپی کروانے کی سہولت اور مسجد کا انتظام
- پرسکون محل وقوع اور تعلیمی اداروں کے سنگم میں

سہولیات

- جملہ اُردو عربی تفاسیر اور علومِ قرآن کی تمام کتب
- حدیث نبوی، شروحِ حدیث اور علوم قرآن کے بیشتر مراجع
- فقہی مذاہب خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات کا مستند ذخیرہ
- اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ
- اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اَسلاف کا نادر علمی ورثہ
- Ph.D وغیرہ محققین کے لیے علمی رہنمائی اور مشاورت

اوقات صبح 09:00 بجے تا شام 05:00 بجے (چھٹی بروز جمعہ)

ایئر کنڈیشنڈ ہال

بمقام ادارہ 'محدث' 99/ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور 042-35866396 لائبریرین: محمد اصغر 0305-4600861

Designing: AK 0321-4966404

تبلیغ دین کے لیے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان

ویب سائٹس

محدث
Mohaddis.com

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com

زیر سرپرستی	زیر نگرانی	علمی معاونت	فنی معاونت
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	ڈاکٹر حافظ انس نضر ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی	قاری مصطفیٰ راسخ قاری خضر حیات	انجینئر محمد شاکر اعوان انجینئر عمیر حسن راجہ

خصوصیات

- اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس۔
- اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لیے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
- یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
- تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
- تمام ویب سائٹس پر تبصرے و جائزے اور تاثرات و شماریات کی سہولت

جاری پروگرام

محدث
Mohaddis.com
احادیث نبویہ کا عظیم ذخیرہ، ترجمہ اور تحقیق و تخریج کی سہولت کے ساتھ

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com
- یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
- حالات کی مناسبت سے اہم مضامین

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com
- تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ (نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات)

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com
47 سال کے مطبوعہ تمام شمارے
(Unicode / PDF)

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com
موضوعات: 34,261 ترسیلات: 279,857
اراکین: 4930

یومیہ 25000 وزیٹر
ہر لمحہ 3000 قارئین

مستقبل کے منصوبے

- محدث یونیکوڈ لائبریری
- محدث بلڈ بنک
- محدث آڈیو، ویڈیو سیکشن
- رسائل و جرائد سیکشن

ماہانہ اخراجات سوا تین لاکھ روپے

زیر اہتمام: مجلس التحقیق الاسلامی J-99 ماڈل ٹاؤن، لاہور
Mobile:+92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com
Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar, Lahore Swift Code: ALFPKKA093
Designing: AK 0321-4966404

ملّتِ اِسلامیہ کا عِلمی اور اصلاحی مجلّہ

محدث

لاہور پاکستان

مُدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

مُدیر منتظم
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی

مُدیر
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

جلد 55 | اکتوبر 2024ء / ربیع الاول ۱۴۴۶ھ | عدد 03

مجلس مشاورت

■ مولانا ارشاد الحق اثری ■ حافظ ثناء اللہ زاہدی ■ حافظ عبدالعزیز علوی ■ ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
■ حافظ محمد شریف ■ حافظ مسعود عالم ■ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد ■ حافظ محمد امین محمدی

فہرست مضامین

فکر و نظر — ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
تعامل بین المسالک اور سلفی علماء کا منہج — 2

عقائد اھل السنۃ — افادات: ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری) قسط(۶) — 34

الولاء والبراء — علامہ محمد ناصر الدین البانی
کیا بدعتی شخص کے لیے رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے؟ — 39

سنت و بدعت — ڈاکٹر عبید الرحمن محسن
عید میلاد النبی ﷺ.... محل نزاع کیا ہے؟ — 49

یاد رفتگان — حافظ زبیر اصغر
سوانح حیات مولانا احسان اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ — 55

مدیر معاون
عبدالرحمن عزیز
0308-4131740

مینیجر
محمد اصغر
0305-4600861

زرسالانہ = /600 روپے
فی شمارہ = /100 روپے

بیرون ملک
زرسالانہ = /30 ڈالر
فی شمارہ = /5 ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

Islamic Research Council

محدّث کتاب و سنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

تعامل بین المسالک اور سلفی علماء کا منہج

جب بھی ہمارے سامنے سلفی فکر کا نام آتا ہے تو فوراً شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نظروں میں گھوم جاتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سلفیت اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو جدا کرنا مشکل ہے کہ سلفیت کے مفہوم میں ابن تیمیہ اس طرح سے رچ بس گئے ہیں کہ اس کے معانی کا ایک لازم حصہ بن گئے ہیں۔ بس سلفی نکتہ نظر کیا ہے، اس بارے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ایک اسٹینڈرڈ ورژن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر آپ کو ثابت کرنا ہے کہ یہ سلفی نکتہ نظر ہے تو آپ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت کر دیں، اس کے بعد کسی سند کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر آپ کو ثابت کرنا ہے کہ یہ سلفی نکتہ نظر نہیں ہے تو بھی آپ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت کر دیں کہ یہ سلفیت نہیں ہے تو آپ کو اس کے بعد مزید کوئی دلیل نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح جب ہم معاصر سلفیت کی بات کرتے ہیں تو شیخ بن باز، شیخ محمد بن صالح العثیمین اور علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہم اس فکر کے نمائندے اور ترجمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کسی بات پر ان تینوں اہل علم کا اتفاق ہو جائے تو اسے سلفی فکر کہنے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا۔

تعامل بین المسالک اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

جس طرح کتاب و سنت کی نصوص کی شرح و وضاحت میں اختلاف ہو جاتا ہے بلکہ ہوتا رہا ہے تو ایسے میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریک برپا کی کہ آیات صفات کی تفسیر میں سلف کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اسی طرح اگر سلف کے اقوال کی تعبیر و تشریح میں اختلاف ہو جائے کہ کوئی عالم کہے کہ سلف کے ان اقوال کا یہ معنی ہے اور دوسرا یہ کہے کہ یہ معنی ہے تو ایسے میں سلفیت کے مکتب فکر میں قولِ فیصل امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بنتا ہے کیونکہ سلفیت کی اسٹینڈرڈ تعبیر وہی ہے جو وہ کر گئے ہیں اور اس پر تقریباً اتفاق ہو گیا ہے سوائے ان چند ایک مسائل کے کہ جنہیں روایتی سلفیت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے بلکہ وہ خود میں ایک جدید سلفیت ہیں۔

پہلا اصول

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ جس بندے میں خیر و شر اور سنت و بدعت جمع ہو جائیں تو اس سے دونوں

طرح کا معاملہ کیا جائے گا، ثواب کا بھی اور سزا کا بھی، جس قدر اس کا خیر اور سنت پر عمل ہے، اس قدر اسے ثواب ملے گا اور اسی قدر اس سے دوستی ہو گی، اور جس قدر اس کے کام میں شر اور بدعت ہے، اس قدر سزا کا وہ مستحق ہو گا، اور اسی قدر اس سے دوری بھی ہو گی۔ اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ اس میں ان سے خوارج اور معتزلہ وغیرہ جیسے بدعتی فرقوں نے اختلاف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَإِذَا اجْتَمَعَ فِي الرَّجُلِ الْوَاحِدِ خَيْرٌ وَشَرٌّ وَفُجُورٌ وَطَاعَةٌ وَمَعْصِيَةٌ وَسُنَّةٌ وَبِدْعَةٌ: اسْتَحَقَّ مِنْ الْمُوَالَاةِ وَالثَّوَابِ بِقَدْرِ مَا فِيهِ مِنْ الْخَيْرِ وَاسْتَحَقَّ مِنْ الْمُعَادَاتِ وَالْعِقَابِ بِحَسَبِ مَا فِيهِ مِنْ الشَّرِّ فَيَجْتَمِعُ فِي الشَّخْصِ الْوَاحِدِ مُوجِبَاتُ الْإِكْرَامِ وَالْإِهَانَةِ فَيَجْتَمِعُ لَهُ مِنْ هَذَا وَهَذَا كَاللِّصِّ الْفَقِيرِ تُقْطَعُ يَدُهُ لِسَرِقَتِهِ وَيُعْطَى مِنْ بَيْتِ الْمَالِ مَا يَكْفِيهِ لِحَاجَتِهِ. هَذَا هُوَ الْأَصْلُ الَّذِي اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَخَالَفَهُمْ الْخَوَارِجُ وَالْمُعْتَزِلَةُ وَمَنْ وَافَقَهُمْ عَلَيْهِ.[1]

”جب ایک ہی بندے میں خیر و شر، اطاعت و معصیت، نیکی و بدی اور سنت و بدعت دونوں جمع ہو جائیں تو وہ اپنے خیر کے بقدر ثواب کا بھی مستحق ہے اور دوستی کا بھی۔ اور جس قدر اس میں اللہ کی نافرمانی ہو گی تو اس شر کے حساب سے وہ سزا کا بھی مستحق ہے اور دشمنی کا بھی۔ پس ایک ہی شخص میں بعض ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو اس کے اکرام اور عزت کو واجب کرتی ہیں اور کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اس کی توہین کا موجب ہوتی ہیں۔ پس ایک ہی شخص میں دونوں جمع ہو جاتی ہیں جیسا کہ فقیر چور کی مثال ہے کہ اس کا ہاتھ چوری کی وجہ سے کاٹا جائے گا لیکن فقیر ہونے کے سبب اسے بیت المال میں سے اتنا دیا جائے گا کہ کفایت کر جائے۔ یہ وہ اصول ہے کہ جس پر اہل سنت کا اتفاق ہے اور اس میں معتزلہ اور خوارج وغیرہ نے ہی ان سے اختلاف کیا ہے۔“

پس پہلا اصول تو یہ ہے کہ جب کسی شخص میں سنت اور بدعت جمع ہوں تو اس کے ساتھ سنت کے بقدر حسن سلوک اور اس کا اکرام واجب ہے۔ اور اس میں جو بدعت ہے، اس کے بقدر اس پر سختی اور تنقید لازم ہے۔ تو ایک ہی شخص کا آپ اکرام بھی کریں گے، اس وجہ سے کہ وہ بعض معاملات میں سنت کا پیرو ہے۔ اور اسی شخص پر آپ رد بھی کریں گے کہ بعض جگہ وہ بدعت کا مرتکب ہے۔ یہ توازن اور اعتدال ہے۔

---

[1] مجموع الفتاوی: ۲۸/ ۲۰۹

دوسرا اصول

دوسرا اصول یہ ہے کہ اہل بدعت کی اقسام ہیں اور سب اہل بدعت کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا درست نہیں کہ ان میں سے کچھ کی بدعت ایسی ہے کہ وہ کفر تک پہنچانے والی ہے، جبکہ کچھ کی بدعت ایسی ہے کہ وہ گناہ کے درجے کی ہے، اور کچھ کی بدعت ایسی ہے کہ وہ اجتہادی خطا کی قبیل سے ہے کہ جس پر ثواب کی امید ہو سکتی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَأَهْلُ الْبِدَعِ فِيهِمْ الْمُنَافِقُ الزِّنْدِيقُ فَهَذَا كَافِرٌ وَيَكْثُرُ مِثْلُ هَذَا فِي الرَّافِضَةِ وَالْجَهْمِيَّة فَإِنَّ رُؤَسَاءَهُمْ كَانُوا مُنَافِقِينَ زَنَادِقَةً. وَأَوَّلُ مَنْ ابْتَدَعَ الرَّفْضَ كَانَ مُنَافِقًا. وَكَذَلِكَ التَّجَهُّمُ فَإِنَّ أَصْلَهُ زَنْدَقَةٌ وَنِفَاقٌ. وَلِهَذَا كَانَ الزَّنَادِقَةُ الْمُنَافِقُونَ مِنْ الْقَرَامِطَةِ الْبَاطِنِيَّةِ الْمُتَفَلْسِفَةِ وَأَمْثَالِهِمْ يَمِيلُونَ إلَى الرَّافِضَةِ وَالْجَهْمِيَّة لِقُرْبِهِمْ مِنْهُمْ. وَمِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ مَنْ يَكُونُ فِيهِ إيمَانٌ بَاطِنًا وَظَاهِرًا لَكِنْ فِيهِ جَهْلٌ وَظُلْمٌ حَتَّى أَخْطَأَ مَا أَخْطَأَ مِنْ السُّنَّةِ؛ فَهَذَا لَيْسَ بِكَافِرِ وَلَا مُنَافِقٍ ثُمَّ قَدْ يَكُونُ مِنْهُ عُدْوَانٌ وَظُلْمٌ يَكُونُ بِهِ فَاسِقًا أَوْ عَاصِيًا؛ وَقَدْ يَكُونُ مُخْطِئًا مُتَأَوِّلًا مَغْفُورًا لَهُ خَطَؤُهُ؛ وَقَدْ يَكُونُ مَعَ ذَلِكَ مَعَهُ مِنْ الْإِيمَانِ وَالتَّقْوَى مَا يَكُونُ مَعَهُ مِنْ وِلَايَةِ اللَّهِ بِقَدْرِ إيمَانِهِ وَتَقْوَاهُ.[1]

”اہل بدعت میں منافق اور زندیق بھی ہیں۔ تو یہ کافر ہیں۔ ان کی مثالیں اکثر طور روافض اور جہمیہ میں مل جائیں گی کہ ان کے عمائدین منافق اور زندیق ہیں۔ جس نے رافضیت کی ابتداء کی تو وہ منافق تھا۔ اسی طرح جہمیت کی اصل بھی زندقہ اور نفاق ہے۔ اسی لیے باطنی اور فلسفی قرامطہ میں سے زندیق منافقوں کی جماعت روافض اور جہمیہ کی طرف قلبی میلان اور رجحان رکھتی ہے کیونکہ وہ نظریاتی طور ان سے قریب ہیں۔ اور اہل بدعت کی دوسری قسم وہ ہیں کہ جن میں ظاہر اور باطن دونوں میں ایمان موجود ہے لیکن ان میں جہالت اور ظلم ہے کہ جس کے سبب سے وہ سنت کے معاملے میں خطا کھا گئے۔ اہل بدعت کا یہ گروہ نہ تو کافر ہے اور نہ ہی منافق ہے۔ پھر ان میں سے تیسری قسم بعض ایسے ہیں کہ جن کا ظلم و عدوان ایسا ہوتا ہے کہ وہ انہیں نافرمان اور فاسق و فاجر بنا دیتا ہے اور بعض اوقات ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی بدعت ان کی خطائے اجتہادی اور تاویل ہوتی ہے کہ جو

---

۱ مجموع الفتاوی: ۳/ ۳۵۳-۳۵٤

اللہ کے ہاں معاف ہے۔ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ خطائے اجتہادی اور تاویل کے ساتھ ان میں ایمان اور تقوی بھی موجود ہوتا ہے اور وہ اللہ پر اپنے اس ایمان اور تقوی کی بدولت اللہ کی ولایت کے ایک درجے پر ہوتا ہے۔"

اہل بدعت میں فرق کیا جائے گا۔ اب اشاعرہ کو بھی سلفیہ اہل بدعت شمار کرتے ہیں کیونکہ اشاعرہ صفات باری تعالی میں تاویل کے قائل ہیں۔ اب جن اشاعرہ نے بعض صفات میں تاویل کی ہے یا بعض دوسرے معاملات میں اشعریت، ماتریدیت یا غیر سلفیت کی طرف مائل ہیں، ان میں بڑے بڑے نام مل جاتے ہیں جیسا کہ امام دار قطنی، امام بیہقی، علامہ خطیب بغدادی، امام ابن حزم، امام الحرمین جوینی، امام حاکم، امام غزالی، قاضی ابن رشد، قاضی ابن العربی، قاضی عیاض، علامہ ابن عساکر، امام ابن صلاح، امام رازی، علامہ آمدی، امام عز بن عبد السلام، امام نووی، امام بیضاوی، امام قرطبی، علامہ تفتازانی، علامہ ابن خلدون، علامہ ابن حجر عسقلانی، امام سخاوی، امام سیوطی، علامہ ابن حجر ہیثمی، علامہ ابن عاشور وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم۔ اب ان ائمہ میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کی کتابیں سلفی مدارس میں درسی کتب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مجھے ایک سلفی کا مکالمہ یاد آرہا ہے جو ایک اشعری کے ساتھ ہوا کہ دونوں ایک کتب خانے پر کھڑے تھے تو سلفی نے اشعری سے کہا ہے کہ اشعریت گمراہی اور بدعت ہے اور ان کی کتابوں کا بالکل بھی مطالعہ نہیں کرنا چاہیے۔ اشعری نے جواب میں پوچھا کہ امام نووی اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حکم ہے کہ کیا وہ دونوں بھی بدعتی اور گمراہ ہیں؟ سلفی نے جواب دیا کہ ان کے افکار اور نظریات میں بدعت اور گمراہی ہے۔ اس پر اشعری نے کہا کہ آپ "فتح الباری" اور "شرح نووی" کیوں خرید رہے ہو جبکہ ان میں بدعت اور گمراہی موجود ہے۔ کیا آپ اپنی لائبریری کی زینت ایسی کتابوں کو بناؤ گے اور لوگوں کو ایسی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دلاؤ گے کہ جن میں بدعت اور گمراہی ہے تو اس پر سلفی خاموش ہو گیا۔ بڑے بڑے محدثین، فقہاء اور کبار علماء ایسے ہیں کہ جن پر گمراہ اور بدعتی ہونے کے فتوے لگے ہیں۔ اگر ان سب کو پڑھنے سے روک دیا جائے گا تو پھر بہتر ہے کہ آپ اپنی لائبریری کہیں دریا برد کر دیں کہ ہر فن میں کہ وہ تفسیر ہو یا حدیث، اصول فقہ ہو یا اصول حدیث، عقیدہ ہو یا اصول تفسیر، فقہ ہو یا کلام، لغت ہو یا بلاغت، ہر طبقے اور گروہ کے اہل علم نے اپنا حصہ ڈالا ہے اور یہ سب ہمارا علمی ورثہ ہے۔ اس سے ہم کیسے جان چھڑا سکتے ہیں۔ جن کتب میں خیر اور شر ہے تو آپ خیر کا علم لے لیں اور شر کو چھوڑ دیں۔ یہی وہ علمی منہاج ہے کہ جس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اوپر گزر چکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین نے اہل بدعت کی تعریف بھی ہے جیسا کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہل بدعت یعنی اہل تشیع، مرجئہ، قدریہ، معتزلہ اور خوارج وغیرہ سے روایت لینا جائز ہے، جب اہل بدعت سے روایت لینا جائز ہے تو ایسا کرنا ان کے ساتھ بیٹھنے، ان کی شاگردی اختیار کرنے اور ان کی تعظیم کیے بغیر کیسے ممکن ہے! کیا ایک شاگرد اپنے استاذ کی تعظیم نہیں کرے گا! خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

وَقَدِ احْتَجَّ مَنْ ذَهَبَ إِلَى قَبُولِ أَخْبَارِهِمْ بِأَنَّ مُوقِعَ الْفِسْقِ مُعْتَمِدًا وَالْكَافِرَ الْأَصْلِيَّ مُعَانِدَانِ وَأَهْلُ الْأَهْوَاءِ مُتَأَوِّلُونَ غَيْرُ مُعَانِدِينَ وَبِأَنَّ الْفَاسِقَ الْمُعْتَمِدَ أَوْقَعَ الْفِسْقَ مَجَانَةً وَأَهْلُ الْأَهْوَاءِ اعْتَقَدُوا مَا اعْتَقَدُوهُ دِيَانَةً وَيَلْزَمُهُمْ عَلَى هَذَا الْفَرْقِ أَنْ يَقْبَلُوا خَبَرَ الْكَافِرِ الْأَصْلِيِّ فَإِنَّهُ يَعْتَقِدُ الْكُفْرَ دِيَانَةً فَإِنْ قَالُوا: قَدْ مَنَعَ السَّمْعُ مِنْ قَبُولِ خَبَرِ الْكَافِرِ الْأَصْلِيِّ فَلَمْ يَجُزْ ذَلِكَ لِمَنْعِ السَّمْعِ مِنْهُ قِيلَ: فَالسَّمْعُ إِذًا قَدْ أَبْطَلَ فَرْقَكُمْ بَيْنَ الْمُتَأَوِّلِ وَالْمُعْتَمِدِ وَصَحَّحَ إِلْحَاقَ أَحَدِهِمَا بِالْآخَرِ فَصَارَ الْحُكْمُ فِيهِمَا سَوَاءً. وَالَّذِي نَعْتَمِدُ عَلَيْهِ فِي تَجْوِيزِ الِاحْتِجَاجِ بِأَخْبَارِهِمْ مَا اشْتُهِرَ مِنْ قَبُولِ الصَّحَابَةِ أَخْبَارَ الْخَوَارِجِ وَشَهَادَاتِهِمْ وَمَنْ جَرَى مَجْرَاهُمْ مِنَ الْفُسَّاقِ بِالتَّأْوِيلِ ثُمَّ اسْتِمْرَارِ عَمَلِ التَّابِعِينَ وَالْخَالِفِينَ بَعْدَهُمْ عَلَى ذَلِكَ لِمَا رَأَوْا مِنْ تَحَرِّيهِمِ الصِّدْقَ وَتَعْظِيمِهِمِ الْكَذِبَ وَحِفْظِهِمْ أَنْفُسَهُمْ عَنِ الْمَحْظُورَاتِ مِنَ الْأَفْعَالِ وَإِنْكَارِهِمْ عَلَى أَهْلِ الرِّيَبِ وَالطَّرَائِقِ الْمَذْمُومَةِ وَرِوَايَاتِهِمُ الْأَحَادِيثَ الَّتِي تُخَالِفُ آرَاءَهُمْ وَيَتَعَلَّقُ بِهَا مُخَالِفُوهُمْ فِي الِاحْتِجَاجِ عَلَيْهِمْ فَاحْتَجُّوا بِرِوَايَةِ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ وَهُوَ مِنَ الْخَوَارِجِ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ وَكَانَ مِمَّنْ يَذْهَبُ إِلَى الْقَدَرِ وَالتَّشَيُّعِ وَكَانَ عِكْرِمَةُ إِبَاضِيًّا وَابْنُ أَبِي نَجِيحٍ وَكَانَ مُعْتَزِلِيًّا وَعَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ وَشِبْلُ بْنُ عَبَّادٍ وَسَيْفُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَهِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ وَسَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ وَسَلَّامُ بْنُ مِسْكِينٍ وَكَانُوا قَدَرِيَّةً وَعَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ وَعَمْرُو بْنُ مُرَّةَ وَمِسْعَرُ بْنُ كِدَامٍ وَكَانُوا مُرْجِئَةً وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى وَخَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ وَكَانُوا يَذْهَبُونَ إِلَى التَّشَيُّعِ فِي خَلْقٍ كَثِيرٍ يَتَّسِعُ ذِكْرُهُمْ دَوَّنَ أَهْلُ الْعِلْمِ قَدِيمًا وَحَدِيثًا رِوَايَاتِهِمْ وَاحْتَجُّوا بِأَخْبَارِهِمْ فَصَارَ ذَلِكَ كَالْإِجْمَاعِ مِنْهُمْ وَهُوَ أَكْبَرُ الْحُجَجِ فِي هَذَا الْبَابِ.[1]

---

1 الخطيب البغدادي، أحمد بن علي، الكفاية في علم الرواية: ١٢٥

”جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ اہل بدعت سے روایت لینا جائز ہے لیکن کافر اور فاسق سے نہیں تو ان کی دلیل یہ ہے کہ جو تو حقیقی کافر ہے یا جانتے بوجھتے فسق وفجور کا ارتکاب کرنے والا ہے، وہ سرکش ہے۔ اس کے برعکس اہل بدعت تاویل کرنے والے ہیں اور سرکش نہیں ہیں۔ پھر جانتے بوجھتے فسق وفجور کا ارتکاب کرنے والا غیر سنجیدہ دین کا حامل ہے جبکہ اہل بدعت جس کا اعتقاد رکھتے ہیں، وہ اسے سنجیدہ دین سمجھتے ہوئے اس کے معتقد ہوتے ہیں۔ اس جواب سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ حقیقی کافر کی بھی روایت قبول کریں کیونکہ وہ بھی تو اپنے کفر کا دل سے اعتقاد رکھتا ہے۔ اس کا جواب وہ اگر یہ دیں کہ خبر نے حقیقی کافر کی روایت قبول کرنے سے منع کر دیا ہے تو خبر کے منع کرنے کی وجہ سے یہ جائز نہیں۔ تو ایسے شخص کو یہ جواب دیا جائے گا کہ خود خبر نے ہی واضح کر دیا ہے کہ متعمد یعنی جانتے بوجھتے کوئی کام کرنے والے اور متاول یعنی تاویل کرنے والے کے مابین جو فرق تم نے کیا ہے، شرع نے اس کی رعایت نہیں کی ہے۔ لہٰذا ایک کا حکم دوسرے پر جاری کرنا جائز ہے اور دونوں یعنی کافر اور بدعتی کا حکم ایک ہی ہے۔ ہم اہل بدعت کی روایت قبول کرنے میں جس دلیل پر اعتماد کر رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشہور ہے کہ وہ خوارج کی روایت اور گواہی دونوں قبول کر لیتے تھے۔ اور اسی طرح ان فساق وفجار کی خبر اور گواہی بھی قبول کر لیتے تھے جو تاویل کرنے والے تھے۔ اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا عمل بھی یہی رہا ہے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ وہ سچائی کی تلاش میں رہتے ہیں اور جھوٹ کو بڑا گناہ سمجھتے ہیں، اپنے آپ کو کبیرہ گناہوں سے بچاتے ہیں، شک پھیلانے والوں اور مذموم طریقوں کا انکار کرتے ہیں، اور ایسی روایات بھی بیان کر جاتے ہیں جو ان کے نظریات کے خلاف ہوتی ہیں اور ان کے مخالفین انہی کی روایات کو ان کے خلاف حجت بنا لیتے ہیں۔ پس اہل الحدیث نے عمران بن حِطان کی روایات قبول کیں جو کہ خوارج میں سے ہے۔ اور عمرو بن دینار کی روایات قبول کیں جو کہ قدریہ اور تشیع کی طرف مائل تھے۔ اسی طرح عکرمہ کی روایات قبول کیں جو اباضی تھے۔ اور ابن ابی نجیح کی روایات قبول کیں جو معتزلی تھے۔ اور عبد الوارث بن سعید، شبل بن عباد، سیف بن سلیمان، ہشام دستوائی، سعید بن ابی عروبہ اور سلام بن مسکین قدریہ تھے۔ اور علقمہ بن مرثد، عمرو بن مرۃ، مسعر بن کدام مرجئہ تھے۔ عبد اللہ بن موسی، خالد بن مخلد اور عبد الرزاق بن ہمام میں شیعیت تھی۔ پھر ایک خلق کثیر ہے کہ اہل علم میں اگلوں پچھلوں نے ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں مدون کیا، ان کی احادیث کو دلیل بنایا، اس طرح اس مسئلے میں اجماع منعقد

ہو گیا جو اس باب میں سب سے بڑی دلیل ہے۔"

اب یہ دعوی کرنا کہ اہل بدعت کی تعریف کرنا جائز نہیں اور یہ سلف کا موقف ہے، درست نہیں کیونکہ یہ لوگ سلف کے اقوال کا صحیح معنی و مفہوم ہی سمجھ نہیں پائے۔ اگر بفرض محال سلف نے ایسی کوئی بات کی ہے تو یہ خود قرآن مجید کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے کہ قرآن نے تو اہل کفر کی تعریف کی ہے جیسا کہ یہود و نصاری کی[1]۔ متشدد دین اور غالین کا مسئلہ ہے کہ قرآن ہو یا حدیث، آثار ہوں یا سلف کی آراء، اس میں تناقض زیادہ پیدا کرتے ہیں اور تطبیق پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور یہ کام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے لیکن عام طور اہل حدیث انہیں پڑھتے نہیں، پڑھتے ہیں تو سمجھتے نہیں، سمجھتے ہیں تو عمل نہیں کرتے۔ امام ابن تیمیہ نے سلف کے دونوں طرح کے اقوال میں جو تطبیق پیدا کی ہے، وہ ہم تیسرے اصول میں ذکر کریں گے۔ امام ذہبی، قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وَهُوَ حُجَّةٌ بِالإِجْمَاعِ إِذَا بَيَّنَ السَّمَاعَ، فَإِنَّهُ مُدَلِّسٌ مَعْرُوْفٌ بِذَلِكَ، وَكَانَ يَرَى القَدَرَ - نَسْأَلُ اللهَ العَفْوَ -. وَمعَ هَذَا، فَمَا تَوقَّفَ أَحَدٌ فِي صِدقِه، وَعَدَالَتِه، وَحِفظِه، وَلَعَلَّ اللهَ يَعْذُرُ أَمْثَالَه مِمَّنْ تَلبَّسَ بِبدعَةٍ يُرِيْدُ بِهَا تَعْظِيْمَ البَارِي وَتَنزِيهَه، وَبَذَلَ وُسْعَهُ، وَاللهُ حَكَمٌ عَدلٌ لَطِيْفٌ بِعِبَادِه، وَلاَ يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ. ثُمَّ إِنَّ الكَبِيْرَ مِنْ أَئِمَّةِ العِلْمِ إِذَا كَثُرَ صَوَابُه، وَعُلِمَ تَحَرِّيه لِلْحقِّ، وَاتَّسَعَ عِلْمُه، وَظَهَرَ ذَكَاؤُهُ، وَعُرِفَ صَلاَحُه وَوَرَعُه وَاتِّبَاعُه، يُغْفَرُ لَهُ زَلَلُهُ، وَلاَ نُضِلِّلُهُ وَنَطْرَحُهُ وَنَنسَى مَحَاسِنَه. نَعَم، وَلاَ نَقتَدِي بِهِ فِي بِدعَتِه وَخَطَئِه، وَنَرجُو لَهُ التَّوبَةَ مِنْ ذَلِكَ.[2]

---

۱ ﴿وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا﴾ [آل عمران: ۷۵]

"اور اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ ان کے پاس اگر آپ خزانہ بطور امانت رکھ دیں تو وہ آپ کو واپس کر دیں گے، اور ان میں ایسے بھی ہیں جن کو ایک دینار بھی دے دیں تو واپس کرنے کو تیار نہ ہوں گے، الا یکہ آپ اس پر مسلط ہو جائیں۔"

مزید فرمایا: ﴿لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ.....﴾ [آل عمران: ۱۱۳] "سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں، ان میں ایک جماعت ایسی بھی ہے..."

۲ سير أعلام النبلاء: ۵/ ۲۷۱

”قتادہ معروف مدلس ہیں لیکن جب سماع کی وضاحت کر دیں تو بالاجماع حجت ہیں اور وہ قدریہ میں سے تھے اور ہم ان کے نظریات سے اللہ کی عافیت چاہتے ہیں لیکن اس کے باوجود کسی ایک نے بھی ان کے صدق، عدالت اور حافظے میں توقف نہیں کیا۔ اللہ عزوجل سے پوری امید ہے کہ ان جیسے اہل بدعت کا عذر قبول فرمائیں گے کیونکہ وہ اپنی بدعت کے ذریعے اپنے رب کی تعظیم، تنزیہ اور قدرت کی بڑائی چاہتے تھے۔ اور اللہ عزوجل حاکم، عادل اور اپنے بندوں سے باخبر ہے۔ اور اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے[یہ آخری جملہ بہت اہم ہے اور کمال ہے اور خاص طور اس سیاق وسباق میں تو غضب ہے]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کبار اہل علم کہ جن کی اکثر باتیں صحیح ہوں، وہ حق کے شیدائی ہوں، ان کا علم وسیع ہو، ان کی ذہانت ظاہر ہو، ان کی صالحیت، خشیت اور اتباع سنت معروف ہو، اللہ عزوجل ان کی لغزشوں سے درگزر فرمادیں گے۔ اور ہم انہیں نہ تو گمراہ قرار دیں گے اور نہ ہی ان کو ایک طرف پھینک دیں گے کہ ان سے استفادہ نہ کریں اور نہ ہی ان کے محاسن کو بھولیں گے۔ البتہ ہم ان کی خطا اور بدعت میں ان کی اتباع نہیں کریں گے لیکن اس میں بھی اللہ عزوجل سے ان کے لیے معافی کے طلبگار رہیں گے۔“

یہ ہے وہ سلف کا منہج کہ جسے کبار ائمہ سلف نے نقل کیا ہے اور برصغیر پاک وہند کے اکابر اہل حدیث علماء نے اس کے مطابق مسلک کی نشر واشاعت کا کام کیا۔ امام عقیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ قَالَ: قُلْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ: أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَجُلٍ، مِنْ أَصْحَابِنَا هُمْ يَكْرَهُونَ الْحَدِيثَ عَنْهُ، قَالَ: مَنْ هُوَ؟ قُلْتُ: مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ الدِّمَشْقِيُّ، قَالَ: وَلِمَ؟ قُلْتُ كَانَ قَدَرِيًّا. فَغَضِبَ، وَقَالَ: فَمَا يَضُرُّهُ أَنْ يَكُونَ قَدَرِيًّا![1]

”سلیمان بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن مہدی سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک ایسے شخص سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب اس کی روایت کو ناپسند کرتے ہیں۔ عبدالرحمن بن مہدی نے کہا کہ وہ شخص کون ہے؟ میں نے کہا: محمد بن راشد الدمشقی۔ انہوں نے کہا: کیوں؟ میں نے کہا: کہ وہ قدریہ میں سے ہے۔ اس پر عبدالرحمن بن مہدی غصے ہو گئے اور کہا: کیا اب قدریہ میں سے ہونا (روایت لینے میں) اس کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے؟“

---

1 العقيلي، محمد بن عمرو، الضعفاء الكبير: ٤/ ٦٦

یہ وہی بات ہے کہ جس بندے میں خیر غالب ہو تو اس کی بدعت اس کے لیے نقصان دہ نہ ہو گی، ان شاء اللہ عزوجل، کہ اس کا خیر کا پلڑا بھاری ہے۔ آخرت میں بھی فوز و فلاح کا یہی اصول ہے کہ انسان کا خیر کا پلڑا بھاری ہو جائے، یہ نہیں کہ اس کے نامہ اعمال میں کوئی شر موجود ہی نہ ہو۔ اسی طرح دنیا میں بھی یہی اصول لاگو ہو گا کہ جس عالم کا خیر کا پلڑا بھاری ہو گا تو اس کے شر پر اللہ عزوجل سے معافی کی امید رکھی جائے گی۔ اس بابت سلف کے بے شمار اقوال ہیں لیکن ابھی ہم مزید تفصیل میں نہیں جانا چاہتے کہ ان کو جمع کرنے کے لیے ایک مفصل کتاب درکار ہے۔

تیسرا اصول

تیسرا اصول یہ ہے کہ اہل بدعت سے ترکِ تعلق، نص کا صریح حکم نہیں ہے بلکہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے کہ جس کی بنیاد مصلحت کا اصول ہے۔ لہٰذا مصلحت کی بنیاد پر اہل بدعت سے تعلق رکھنے اور نہ رکھنے کا حکم حالات و واقعات اور زمان و مکان کے اعتبار سے تبدیل ہوتا رہے گا۔ کس وقت کس بدعتی سے ملنا ہے اور کس وقت کس سے نہیں ملنا، اس کا فیصلہ ایک عالم دین مصلحت کے اصول کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے کرے گا۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَهَذَا الْهَجْرُ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْهَاجِرِينَ فِي قُوَّتِهِمْ وَضَعْفِهِمْ وَقِلَّتِهِمْ وَكَثْرَتِهِمْ فَإِنَّ الْمَقْصُودَ بِهِ زَجْرُ الْمَهْجُورِ وَتَأْدِيبُهُ وَرُجُوعُ الْعَامَّةِ عَنْ مِثْلِ حَالِهِ. فَإِنْ كَانَتْ الْمَصْلَحَةُ فِي ذَلِكَ رَاجِحَةً بِحَيْثُ يُفْضِي هَجْرُهُ إلَى ضَعْفِ الشَّرِّ وَخِفْيَتِهِ كَانَ مَشْرُوعًا.وَإِنْ كَانَ لَا الْمَهْجُورُ وَلَا غَيْرُهُ يَرْتَدِعُ بِذَلِكَ بَلْ يُزِيدُ الشَّرَّ وَالْهَاجِرُ ضَعِيفٌ بِحَيْثُ يَكُونُ مَفْسَدَةُ ذَلِكَ رَاجِحَةً عَلَى مَصْلَحَتِهِ لَمْ يَشْرَعْ الْهَجْرُ؛ بَلْ يَكُونُ التَّأْلِيفُ لِبَعْضِ النَّاسِ أَنْفَعَ مِنْ الْهَجْرِ.وَالْهَجْرُ لِبَعْضِ النَّاسِ أَنْفَعُ مِنْ التَّأْلِيفِ؛ وَهَذَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَأَلَّفُ قَوْمًا وَيَهْجُرُ آخَرِينَ. كَمَا أَنَّ الثَّلَاثَةَ الَّذِينَ خُلِّفُوا كَانُوا خَيْرًا مِنْ أَكْثَرِ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ لَمَّا كَانَ أُولَئِكَ كَانُوا سَادَةً مُطَاعِينَ فِي عَشَائِرِهِمْ فَكَانَتْ الْمَصْلَحَةُ الدِّينِيَّةُ فِي تَأْلِيفِ قُلُوبِهِمْ وَهَؤُلَاءِ كَانُوا مُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنُونَ سِوَاهُمْ كَثِيرٌ فَكَانَ فِي هَجْرِهِمْ عِزُّ الدِّينِ وَتَطْهِيرُهُمْ مِنْ ذُنُوبِهِمْ وَهَذَا كَمَا أَنَّ الْمَشْرُوعَ فِي الْعَدُوِّ الْقِتَالُ تَارَةً وَالْمُهَادَنَةُ تَارَةً وَأَخْذُ الْجِزْيَةِ تَارَةً كُلُّ ذَلِكَ بِحَسَبِ الْأَحْوَالِ وَالْمَصَالِحِ. وَجَوَابُ الْأَئِمَّةِ كَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِ فِي هَذَا

الْبَابِ مَبْنِيٌّ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ وَهٰذَا كَانَ يُفَرِّقُ بَيْنَ الْأَمَاكِنِ الَّتِي كَثُرَتْ فِيهَا الْبِدَعُ كَمَا كَثُرَ الْقَدَرُ فِي الْبَصْرَةِ وَالتَّنْجِيمُ بِخُرَاسَانَ وَالتَّشَيُّعُ بِالْكُوفَةِ وَبَيَّنَ مَا لَيْسَ كَذَلِكَ وَيُفَرِّقُ بَيْنَ الْأَئِمَّةِ الْمُطَاعِينَ وَغَيْرِهِمْ وَإِذَا عَرَفَ مَقْصُودَ الشَّرِيعَةِ سَلَكَ فِي حُصُولِهِ أَوْصَلَ الطُّرُقِ إِلَيْهِ.[1]

"اور اس ترکِ تعلق کا حکم، ترکِ تعلق کرنے والوں کی قوت وضعف اور قلت و کثرت کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے کیونکہ ترکِ تعلق کا مقصد جس سے ترکِ تعلق کیا جا رہا ہے، اس کی زجر و توبیخ یا اسے ادب سکھلانا ہے یا عامۃ الناس کو اس سے روکنا ہے۔ پس اگر مصلحت اس میں ہو کہ اس ترکِ تعلق کے نتیجے میں شر کمزور پڑ جائے گا اور دب جائے گا تو پھر ترکِ تعلق کر لینا چاہیے اور یہ مشروع ہے۔ اور اگر ترکِ تعلق کے نتیجے میں نہ تو اس شخص کو کوئی فرق پڑتا ہو کہ جس سے ترکِ تعلق کیا جا رہا ہو اور نہ ہی دوسروں کو بلکہ شر مزید بڑھنے کا امکان ہو اور ترکِ تعلق کرنے والے کمزور ہوں اور ترکِ تعلق میں فائدے کی بجائے نقصان زیادہ نظر آ رہا ہو تو پھر ایسا ترکِ تعلق مشروع نہیں ہے[2]۔ بلکہ بعض لوگوں کے ساتھ تالیفِ قلب ان سے ترکِ تعلق کی نسبت زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ کسی قوم سے تالیفِ قلب کر لیتے تھے اور کسی سے ترکِ تعلق کر لیتے تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے جن تین صحابہ سے ترکِ تعلق کیا تو وہ ان لوگوں سے بہتر تھے کہ جن سے آپ ﷺ نے تالیف قلب کی کیونکہ وہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ لہٰذا دینی مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ سرداروں کے ساتھ تالیفِ قلب کی جاتی۔ دوسری طرف یہ تینوں اصحاب محض مومن تھے اور ان کے سوا اور مومن بہت تھے لہٰذا ان کے ترکِ تعلق میں دین کا غلبہ اور ان کی گناہوں سے تطہیر تھی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دشمن سے بعض اوقات قتال مشروع ہے اور بعض اوقات صلح اور بعض اوقات جزیہ لینا۔ اور یہ سب حالات و وقائع کی رعایت کے اعتبار سے ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اہل بدعت سے ترکِ تعلق کے بارے جو جوابات دیے ہیں، وہ اسی

---

۱ مجموع الفتاوی: ۲۸/ ۲۰۶-۲۰۷

۲ اس اصول پر خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ آپ ﷺ نے بعض گناہ گاروں کی نماز جنازہ خود نہیں پڑھائی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھنے کا حکم دیا، حالانکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ دونوں پر شریعت کا یکساں حکم لاگو ہوتا تھا۔

اصول پر مبنی ہیں۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے جواب میں اس فرق کا لحاظ کرتے تھے کہ جن جگہوں میں بدعات پھیل گئی ہوں جیسا کہ بصرہ میں تقدیر کا انکار اور خراسان میں ستارہ شناشی اور کوفہ میں شیعیت اور جن جگہوں میں یہ بدعات نہیں پھیلی تھیں، تو دونوں کا فرق کیا ہے۔ اسی طرح وہ جو کہ ائمہ دین ہیں کہ جن کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ جو کہ عامۃ الناس ہیں، ان دونوں میں بھی فرق کیا ہے۔ پس جب انہوں نے شریعت کا مقصود پہچان لیا کہ ترکِ تعلق سے مقصود کیا ہے تو پھر انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے جس طریقے کو بہتر سمجھا، اسے اختیار کیا۔"

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رَأَيْتُ لِلأَشعرِيّ كلمَة أَعجبتْنِي وَهِيَ ثَابِتَة رَوَاهَا البَيْهَقِيّ، سَمِعْتُ أَبَا حَازِم العَبْدَوِيَّ، سَمِعْتُ زَاهِر بن أَحْمَدَ السَّرَخْسِيّ يَقُوْلُ: لَمَّا قَرُبَ حُضُوْرُ أَجل أَبِي الحَسَنِ الأَشْعَرِيِّ فِي دَارِي بِبَغْدَادَ، دعَانِي فَأَتَيْتُه، فَقَالَ: اشهدْ عليَّ أَنِّي لاَ أُكَفِّر أَحداً مِنْ أَهْلِ القِبْلَة، لأَنَّ الكلَّ يُشِيْرُوْنَ إِلَى معبودٍ وَاحِد، وَإِنَّمَا هَذَا كُلُّه اخْتِلاَف العِبَارَات. قُلْتُ: وَبنحو هَذَا أَدين، وَكَذَا كَانَ شَيْخُنَا ابْنُ تيمِيَّة فِي أَوَاخِرِ أَيَّامه يَقُوْلُ: أَنَا لاَ أُكفر أَحداً مِنَ الأُمَّة، وَيَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: لاَ يُحَافِظُ عَلَى الْوضُوء إِلاَّ مُؤْمِنٌ فَمَنْ لاَزَمَ الصَّلَوَاتِ بوضوءٍ فَهُوَ مُسْلِم.[1]

"میں نے ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ پڑھا جو مجھے بہت اچھا لگا اور وہ ان سے ثابت بھی ہے جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو حازم العبدوی سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے زاہر بن احمد السرخسی سے سنا کہ جب ابو الحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت قریب آیا اور وہ میرے گھر میں بغداد میں تھے تو مجھے بلوایا، میں حاضرِ خدمت حاضر ہوا۔ وہ کہنے لگے کہ گواہ رہنا کہ میں اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتا کیونکہ سب اہل قبلہ ایک ہی معبود کی طرف اشارہ کرتے ہیں [یعنی مشار الیہ ایک ہی ہے] اور ان کا باہمی اختلاف عبارتوں کا اختلاف ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرا بھی یہی مسلک ہے اور یہی بات ہمارے شیخ اور استاذ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری ایام میں کہی تھی کہ میں اس امت میں سے کسی ایک کو کافر قرار نہیں دیتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وضو کی

---

[1] سير أعلام النبلاء: ١٥/ ٨٨

حفاظت صرف مومن ہی کرے گا۔ پس جو وضو کے ساتھ نمازوں کا پابند ہے تو وہ مسلمان ہے۔"

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا اہل بدعت کے ساتھ کیسا حسن سلوک تھا، اس بابت امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَجِئْتُ يَوْمًا مُبَشِّرًا لَهُ بِمَوْتِ أَكْبَرِ أَعْدَائِهِ، وَأَشَدِّهِمْ عَدَاوَةً وَأَذًى لَهُ. فَنَهَرَنِي وَتَنَكَّرَ لِي وَاسْتَرْجَعَ. ثُمَّ قَامَ مِنْ فَوْرِهِ إِلَى بَيْتِ أَهْلِهِ فَعَزَّاهُمْ، وَقَالَ: إِنِّي لَكُمْ مَكَانَهُ، وَلَا يَكُونُ لَكُمْ أَمْرٌ تَحْتَاجُونَ فِيهِ إِلَى مُسَاعَدَةٍ إِلَّا وَسَاعَدْتُكُمْ فِيهِ. وَنَحْوَ هَذَا مِنَ الْكَلَامِ. فَسُرُّوا بِهِ وَدَعَوْا لَهُ. وَعَظَّمُوا هَذِهِ الْحَالَ مِنْهُ.[1]

"ایک دن میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور اُن کو اُن کے ایک بہت بڑے دشمن کہ جو ان سے سخت عداوت رکھتا تھا اور انہیں بہت اذیت پہنچاتا تھا، کے بارے کہا کہ خوش خبری ہو کہ اس کی وفات ہو گئی ہے۔ تو شیخ نے مجھے ڈانٹ دیا، اور میری بات کو ناپسند جانا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور مرحوم کے گھر جا کر ان کے اہل خانہ سے تعزیت کی اور انہیں کہا کہ مرحوم کی جو حیثیت آپ کے گھر میں تھی، آج سے میری وہی حیثیت سمجھیں، لہٰذا آپ لوگوں کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو گی تو میں پوری کروں گا۔ اور اس قسم کی باتیں کہیں کہ جنہیں سن کے وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے شیخ کو دعائیں دیں۔ اور ان کے اس رویے سے بہت متاثر ہوئے۔"

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس تعامل سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر اہل حق تعداد میں کم ہیں اور مغلوب ہیں تو پھر ترکِ تعلق کا فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے۔ اور اگر اہل حق کثرت میں ہیں اور غالب ہیں تو اس صورت میں ترکِ تعلق کا فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جس سے ترکِ تعلق کیا جا رہا ہے، اگر وہ عمائدین میں سے ہو یعنی خود ان کے مقلدین لاکھوں میں ہوں تو پھر اس ترکِ تعلق کا فائدہ نہیں ہے کہ اس سے اسلام کمزور ہو گا۔

ہمارا کہنا بھی یہی ہے کہ فی زمانہ اہل حدیث کمزور اور تعداد میں کم ہیں۔ تعداد کے اعتبار سے یہ ملک حنفیوں کا ہے کہ انہی کی اکثریت ہے۔ ایسے میں اس ترکِ تعلق کا فائدہ نہیں بلکہ اپنی جماعت ہی کا نقصان ہے۔ دوسرا مذہبی طبقے کے مدمقابل لبرل اور سیکولر طبقہ بھی میدان عمل میں برسرپیکار ہے۔ اس طبقے کا مقابلہ کرنے کے لیے مثلاً الحاد، سود، عریانی وفحاشی، منشیات اور ختم نبوت وغیرہ کے مقاصد

---

1 ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، مدارج السالكين : ٢/ ٣٢٩

کی خاطر تنہا اہل حدیث کچھ بھی نہیں کر سکتے، بلکہ وہ دوسری مذہبی جماعتوں اور مسالک کے علماء کے ساتھ مل کر ہی ایسی قوت بن سکتے ہیں کہ جس سے ان برائیوں کا سدباب ممکن ہو سکے۔ پس ملی و قومی مسائل میں اجتماعی جدوجہد تو سب کو تسلیم ہے کہ ہونی چاہیے۔ پس جب آپ نے ملی و قومی مسائل میں اجتماعی جدوجہد کے لیے ساتھ بیٹھنے اور مل کر جدوجہد کرنے کا رستہ کھول دیا تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے نزدیک بھی یہ نص کا حکم نہیں بلکہ مصلحت پر مبنی اجتہاد ہے لہٰذا آپ ایک جگہ یہ رستہ کھول رہے ہیں، دوسری جگہ یہ رستہ کھول رہا ہے، تو اس میں آپ کو مسئلہ کیا ہے۔ جو دلیل آپ کے پاس ایک جگہ رستہ کھولنے کی ہے، وہی اس کے پاس دو جگہ رستہ کھولنے کی ہے یعنی مصلحت عامہ۔

شیخ ابن باز، شیخ محمد بن صالح العثیمین اور علامہ البانی رحمہم اللہ وغیرہ کا موقف

ان شیوخ کے مطابق تعامل بین المسالک کا مسئلہ نصی یا ثوابت دین میں سے نہیں بلکہ مصلحت مرسلہ کے باب سے ہے، یہی فتوی کبار معاصر سلفی علماء نے بھی دیا ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

س: بم تنصحوننا في كيفية التعامل مع المبتدعة الذين نراهم ونتكلم معهم، ونتعامل معهم كل يوم؟

ج: الواجب هجرهم على بدعتهم، إذا أظهروا البدعة فالواجب هجرهم بعد النصيحة والتوجيه، فإن المسلم ينصح أخاه، ويحذرهم مما حرم الله عليهم من البدع والمعاصي الظاهرة فإن تاب وإلا استحق أن يهجر ولا يعامل لعله يتوب لعله يندم لعله يرجع إلى الصواب، إلا إذا كان الهجر يترتب عليه ما لا تحمد عقباه فإنه يتركه إذا كان تركه أصلح في الدين، وأكثر للخير وأقرب إلى النجاح، فإنه لا يهجره بل يداوم على نصحه وتحذيره من الباطل ولا يهجره قد يهديه الله بسبب ذلك، فالمؤمن كالطبيب إذا رأى العلاج نافعا فعله، وإذا رآه ليس بنافع تركه، فالهجر من باب العلاج، فإن كان الهجر يؤثر خيرا وينفع هجر، وكان ذلك من باب العلاج، لعله يتوب ولعله يرجع عن الخطأ، إذا رأى من إخوانه أنهم يهجرونه، أما إن كان الهجر يسبب مزيدا من الشر، وكثرة أهل الشر وتعاونهم، فإنه لا يهجر ولكن يديم النصح له، والتوجيه وإظهار الكراهة لما عمل، ويبين له

عدم موافقته على باطله، ولكن يستمر في النصيحة والتوجيه.[1]

"سوال: آپ ہمیں ان اہل بدعت کے ساتھ تعامل کے بارے کیا نصیحت کرتے ہیں کہ جن سے ہماری روزمرہ زندگی میں میل ملاقات اور گفت وشنید رہتی ہے؟

جواب: اہل بدعت کی بدعت کے سبب ان سے ترکِ تعلق لازم ہے لیکن یہ ترکِ تعلق ایک تو ان کی طرف سے اظہار کے بعد ہو اور دوسرا ان کو وعظ ونصیحت کے بعد ہو۔ مسلمان اپنے بھائی کا خیر خواہ ہوتا ہے اور اللہ عزوجل نے مسلمانوں پر جن بدعات اور گناہوں کو حرام قرار دیا ہے، تو ان کے ظاہر کرنے پر ایک مسلمان اپنے بھائی کو اللہ سے ڈراتا ہے۔ پس اگر وہ توبہ کرلے تو بہت اچھا ہے ورنہ اس سے ترکِ تعلق کر لینا چاہیے اور اس سے تعامل نہیں رکھنا چاہیے۔ شاید کہ وہ اس ترکِ تعلق کے سبب ہی توبہ کرلے اور نادم ہو جائے اور صحیح بات کی طرف لوٹ آئے۔ لیکن اگر ترکِ تعلق کا نتیجہ برا ہو تو پھر اُس سے تعلق رکھے کہ ایسا کرنے میں ہی اس کے دین کی خیر خواہی، اس کی بھلائی اور نجات کے لیے آسانی ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ ترکِ تعلق کا فائدہ نہ ہو تو پھر اپنے بھائی کو نصیحت اور باطل سے انذار ہی کو اپنا منہج بنائیں گے۔ اور اس سے ترکِ تعلق نہیں کریں گے کہ شاید اس کو کوئی فائدہ ہو جائے۔ مومن ایک طبیب کی مانند ہوتا ہے۔ جب اسے نظر آتا ہے کہ علاج میں فائدہ ہے تو علاج کرتا ہے۔ اور جب یہ دیکھتا ہے کہ علاج کا فائدہ نہیں تو اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور ترکِ تعلق بھی علاج ہی کی ایک قسم ہے۔ پس اگر ترکِ تعلق سے اگلے میں خیر بڑھنے کی امید ہو اور ترکِ تعلق میں اگلے کا دینی فائدہ ہو تو ترکِ تعلق کر لیں کہ ترکِ تعلق ایک قسم کا علاج ہے اور شاید کہ اس سے وہ مومن بھائی توبہ کرلے اور اپنی خطا سے رجوع کرلے۔ اور اگر یہ دیکھے کہ دیگر بھائی تو اس سے ترکِ تعلق کر رہے ہیں لیکن اس ترکِ تعلق کے نتیجے میں اس بھائی کا شر مزید بڑھ رہا ہے بلکہ اہل شر اس کے گرد جمع ہو گئے ہیں اور اس سے تعاون شروع کر دیا ہے تو ایسی صورت میں اپنے بھائی سے ترکِ تعلق نہ کرے بلکہ اس کو وعظ ونصیحت کرتا رہے، اس کی رہنمائی کرتا رہے۔ اور جو کچھ وہ کر رہا ہے اس باطل فعل سے اپنی کراہت اور عدم موافقت کا اظہار کرتا رہے لیکن اس کو نصیحت اور اس کی رہنمائی جاری رکھے۔"

---

1 بن باز، الشيخ عبد العزيز بن عبد الله، فتاوى نور على الدرب: ٣/ ٣٩

یہ ہے علم، اس کی وسعت اور گہرائی۔ منہج صرف بزرگوں کے چند گنے چنے اقوال وافعال کا نام نہیں ہے بلکہ حضرات انبیاء کرام کی جماعت کہ جن کے قصص سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، منہج ان کے طرق دعوت و تبلیغ کی اتباع اور پیروی کا نام ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آپ ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ [الأنعام: ٩٠]

"ان انبیائے کرام کی جماعت کو اللہ عزوجل نے ہدایت دی اور رہنمائی کی۔ پس ان کو دی گئی ہدایت اور رہنمائی کی آپ بھی پیروی کریں۔"

پس حضرات انبیائے کرام کی زندگی سے دعوت اور منہج لینے کی بجائے بزرگوں کے چند اقوال وافعال کو ہی دین اسلام کا کل منہج بنالینا جبکہ ان اقوال وافعال کی بنیاد بھی کوئی نص صریح نہ ہو بلکہ مصلحت وسد الذرائع کے ابواب ہوں، ان حضرات انبیاء کی ناقدری بھی ہے۔ تمام انبیاء کا دین اور منہج ایک ہی رہا ہے جبکہ شریعت اور منہاج فرق رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ارشاد ہے:

﴿ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾

[النحل: ١٢٣، ١٢٤]

"پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کریں جو کہ یکسو تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔"

قرآن مجید میں انبیائے کرام کے اسوہ اور سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں دین اسلام کے منہج کے اصول وضوابط اور اس کی ابحاث میں تنقیح ونکھار پر کوئی مقالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ اگر کسی مسلک اور جماعت کے بہترین محققین بھی دس بارہ مسلکی مسائل میں ہی پی ایچ ڈی ہوں تو ایسے رویوں کے ساتھ کبھی جماعتیں اور مسالک علمی طور پر وان نہیں چڑھتے بلکہ فرقہ بن کر اور ایک کونے میں سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اہل حدیث ایک تحریک تھی، فرقہ نہیں تھا۔ اور تحریک کا مزاج دعوتی ہوتا ہے جبکہ فرقے کا جدلی یعنی ہر چیز میں بس جھگڑا ڈال دو۔ جماعت جڑنے سے ہے لہذا جماعت کا مزاج جوڑنے والا ہوتا ہے جبکہ فرقہ تفرقے سے ہیں تو فرقے کا مزاج توڑنے والا ہوتا ہے۔ لہذا آپ کے منہج سے اگر مسلمانوں میں جوڑ پیدا ہو رہا ہے تو آپ ایک جماعت ہیں لیکن آپ کے منہج سے اگر مسلمانوں میں توڑ اور تفرقہ پیدا ہو رہا ہے تو آپ ایک فرقہ میں مسلک اور جماعت اس وقت پھیلتی ہے جبکہ وہ تحریک ہو لیکن جب فرقہ بن جائے تو پھر مزید چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ اکابر اہل حدیث علماء کے ہاں اہل حدیث ایک تحریک تھے لہذا خوب پھلے پھولے۔

فرقہ واریت اصل میں ایک مزاج ہے۔ مولانا حنیف ندوی اور مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کو آخر عمر میں احساس ہو گیا تھا کہ تحریک اہل حدیث میں یہ مزاج آنا شروع ہو گیا ہے، انہوں نے پوری جماعت اہل حدیث کی تربیت نئے انداز وخطوط پر اٹھانے کی باتیں بھی کیں، جو ان کی تحریروں میں مل جائیں گی لیکن بہت سی آرزوئیں بس خواہشات ہی رہ جاتی ہیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ جماعت میں معقول ومطلوب تربیتی نظام نہیں ہے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أما هجرهم فهذا يترتب على البدعة؛ فإذا كانت البدعة مكفرة وجب هجرهم، وإذا كانت دون ذلك فإننا ننظر إلى الأمر، فإن كان في هجرهم مصلحة فعلناه، وإن لم يكن فيه مصلحة اجتنبناه، وذلك أن الأصل في المؤمن تحريم هجره لقول النبي صلي الله عليه وسلم: «لا يحل لرجل مؤمن أن يهجر أخاه فوق ثلاث» فكل مؤمن وإن كان فاسقًا فإنه يحرم هجره ما لم يكن في الهجر مصلحة، فإذا كان في الهجر مصلحة هجرناه؛ لأن الهجر دواء، أما إذا لم يكن فيه مصلحة، أو كان فيه زيادة في المعصية والعتو فإن ما لا مصلحة فيه تركه هو المصلحة.[1]

”اہل بدعت سے ترکِ تعلق کا انحصار ان کی بدعت کی نوعیت پر ہے۔ اگر تو بدعت مکفرہ (یعنی کافر بنانے والی بدعت) ہے تو ان سے ترکِ تعلق لازم ہے۔ اور اگر بدعت مکفرہ نہیں ہے بلکہ اس سے کم درجے کی ہے تو پھر ہم اس معاملے میں غور کریں گے۔ اگر تو ترکِ تعلق میں مصلحت ہے تو ہم ترکِ تعلق کر لیں گے۔ اور اگر ترکِ تعلق میں مصلحت نہیں ہے تو ہم اس سے اجتناب کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن سے ترکِ تعلق اصلاً حرام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کسی بندہ مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ ہر مومن چاہے وہ فاسق وفاجر ہی ہو، اس سے ترکِ تعلق حرام ہے الا یہ کہ اس میں کوئی مصلحت ہو۔ پس اگر مصلحت کا تقاضا ہوا تو ہم ترکِ تعلق کریں گے کیونکہ ترکِ تعلق تو ایک دواء ہے۔ اور اگر ترکِ تعلق میں مصلحت نہ ہو یا اس کے سبب جس سے ترکِ تعلق کیا جا رہا ہے، اس کی معصیت اور نافرمانی کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو جس میں مصلحت نہ ہو تو اس سے ترک تعلق نہ کرنا ہی مصلحت ہے۔“

---

1 العثيمين، الشيخ محمد بن صالح، الاعتدال في الدعوة، نسخة المكتبة الشاملة: ٢٤

اگر یہ فتویٰ لگائیں کہ پاکستان میں سارے بدعتی کافر ہیں یا ان کی بدعت، بدعت مکفرہ ہے یعنی دائرہ اسلام سے خارج کرنے والی ہے تو پھر مسلمان چند ایک ہی رہ جائیں گے کہ سواد اعظم تو پھر وہی ہیں[1]، اس میں کیا شک ہے۔ یا تو کھل کر تکفیر کریں اور سب کو کافر بنا دیں اور پھر ترکِ تعلق کر لیں کہ ترکِ تعلق کی کوئی وجہ جواز آجائے گی۔ لیکن اس صورت میں سوال یہ ہے کہ کافر بنانے کے بعد اب ہماری ذمہ داری بطور مسلمان کیا ہے؟ داعی مزاج تو یہی سوچے گا کہ کافروں کو مسلمان بنانا۔ جب کافر بنانے کے بعد بھی مسلمان بنانے کی محنت کرنا ہماری ہی دینی ذمہ داری ٹھہری تو وہی محنت پہلے کر لیں۔ لیکن یہ سوچ اس میں پیدا ہو گی جو دنیا کو مسلمان بنانے آیا ہے۔ جو مزاج مسلمانوں کو کافر بنانے پر تُلا ہوا ہو، اسے یہ سوچ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کسی کو بدعتی بنانے کے بعد ہمارا کام کیا ہے؟ اس کو سنت کے راہ راست پر لانا۔ پس سنت پر لانے کی محنت کرنا زیادہ مفید ہے بنسبت بدعتی بنانے کے۔ اور سلف میں جو ان کو بدعتی قرار دیتے ہیں، ان کا بھی موقف یہی ہے کہ اسی وقت اس کو بدعتی قرار دیں گے جبکہ اس پر حجت تمام کر دی ہو یعنی اس تک حق بات بذریعہ دعوت و تبلیغ پہنچا دی ہو اور اس کی نصح و خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہو کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی اور خیر خواہ ہوتا ہے۔

ایک داعی دین کا کام لوگوں کو اللہ کے دین پر لانا ہے نہ کہ دین سے نکالنا۔ جنہوں نے کبھی جاہلی معاشروں میں گلی محلوں میں نکل کر انفرادی سطح پر دعوت کا کام کرنے کے لیے دھکے کھائے ہوں، لوگوں کی باتیں سنی ہوں، تو انہیں احساس ہو سکتا ہے کہ دعوت کے کام میں کیا کیا رکاوٹیں اور مشکلات درپیش ہیں لیکن جنہوں نے مسجد و مدرسہ سے نکل کر گلی محلے کی سطح پر تبلیغ نہ کی ہو، انہیں کیا معلوم کہ ان کی اپنی مسجد اور مدرسے کی گلی محلے میں موجود مسلمان کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر یا دکان کا چکر لگا کر اسے نماز کی دعوت دینے اور اسے مسجد میں لانے میں کیا مسائل ہیں۔ جب ہمارے لوگ منبر و محراب سے اتر کر دعوت کے میدان میں رُلیں گے جیسا کہ انبیاء و رسل دعوت کے لیے محنت کرتے تھے تو پھر ہی ان کا مزاج، دعوت کا مزاج بنے گا اور انہیں ان مسائل کا ادراک ہو گا کہ جن پر ہم گفتگو کر رہے ہیں۔

---

[1] اس موقع پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک جگہ پر جلسہ تھا، کوئی سخت مزاج مولوی صاحب تقریر فرما رہے تھے، سب کو کافر اور جہنمی قرار دے رہے تھے، ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کرنے کی اجازت چاہی، اجازت ملنے کے بعد مولوی صاحب سے پوچھا: جنت کتنی بڑی ہے؟ مولوی صاحب نے قرآن سنت کے حوالے سے جنت کی وسعت پر روشنی ڈالی تو سوالی کہنے لگا: کیا اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی جنت آپ اکیلے کے لیے بنائی ہے؟!!!

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر بہت مفصل کلام موجود ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مصلحی حکم ہے نہ کہ نصی حکم جیسا کہ حضرات شیخین کا موقف اوپر گزر چکا۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

في العصر الحاضر ليس من الحكمة أبدا أن نقاطع الناس بسبب انحرافهم سواء كان هذا الانحراف فكريا عقيدة أو كان انحرافا سلوكيا وإنما علينا أن نصبر في مصاحبتناهؤلاء وأن لا نضلل ولا نكفر لأن هذا التضليل وهذا التكفير لا يفيدنا شيئا وإنما علينا بالتذكير كما قال عزوجل(وذكر فإن الذكرى تنفع المؤمنين)[1]

"عصر حاضر میں یہ بالکل بھی حکمت پر مبنی طرز عمل نہیں ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے عقیدے و عمل کے انحراف کے سبب قطع تعلق کر لیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ان کی صحبت میں صبر کریں اور ان میں سے کسی پر کفر اور گمراہی کے فتوے نہ لگائیں کیونکہ اس تکفیر و تضلیل کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمارا کام تذکیر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو حکم ہے کہ: "آپ نصیحت کرتے رہیں کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ دیتی ہے۔"

ایک اور مقام پر علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الذي أراه والله أعلم أن كلام السلف يرد في الجو السلفي يعني في الجو العامر بالإيمان القوي والإتباع الصحيح للنبي صلى الله عليه وسلم والصحابة هو تماما كالمقاطعة، مقاطعة المسلم للمسلم تربية وتأديبا له هذه سنة معروفة لكن في اعتقادي وكثيرا ما سئلت أقول زمننا لا يصلح للمقاطعة زمننا إذا لا يصلح لمقاطعة المبتدعة لأن معنى ذلك أن تعيش على رأس الجبل أن تنزوي عن الناس وأن تعتزلهم ذلك لأنك حينما تقاطع الناس إما لفسقهم أو لبدعتهم فلا يكون لك ذلك الأثر الذي كان يكون له يوم كان أولئك السلف الذين تكلموا بتلك الكلمات وحضُ الناس على مجانبة أهل البدع.[2]

"میری رائے یہ ہے، اور اللہ بہتر جانتا ہے، کہ سلف کا اہل بدعت کے بارے یہ کلام سلفی فضا میں تھا یعنی ایک ایسی فضا جو مضبوط ایمان اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحیح معنوں میں اتباع سے

---

۱ محمد ناصر الدين الألباني، سلسلة الهدى والنور، رقم الشريط: ۸۰

۲ محمد ناصر الدين الألباني، سلسلة الهدى والنور، رقم الشريط: ۵۱۱

آباد تھی لہذا اس میں قطع تعلقی کا فائدہ بھی تھا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے اس کی تربیت اور تادیب کے لئے قطع تعلقی کرتا تھا اور یہ اس دور میں معروف سنت تھی۔ لیکن میرا اعتقاد یہ ہے جیسا کہ مجھ سے اکثر اوقات یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے میں قطع تعلقی درست نہیں۔ فی زمانہ اہل بدعت سے قطع تعلقی کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں سے کنارہ کش اور الگ تھلگ ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر جا کر رہنا شروع کر دیں کیونکہ جب آپ لوگوں سے ان کے فسق و فجور یا بدعت کے سبب قطع تعلقی کریں گے تو اس کا کوئی اثر نہیں ہو گا جیسا کہ سلف کے زمانے میں اس کا اثر ہوتا تھا تو ہی انہوں نے اہل بدعت کے بارے وہ باتیں کیں تاکہ لوگ ان سے دور رہیں۔"

یہ اقتباسات علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کیسٹس سے لیے گئے ہیں۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیوز میں اس موضوع پر بہت تفصیلی کلام موجود ہے۔ ان آڈیو کیسٹس کو بعض طلبۃ العلم تحریری شکل میں لے آئے ہیں اور یہ تفریغ (transcription) انٹرنیٹ پر آسانی سے دستیاب ہے۔ راقم نے علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کیسٹ براہ راست نہیں سنی ہے البتہ سترہ ہزار صفحات پر مشتمل ان کی آڈیو کیسٹس کی تفریغ (transcription) راقم کے پاس موجود ہے۔ یہ حوالہ جات اس تفریغ سے دیے گئے ہیں۔ جامعہ ام القری مکہ المکرمہ کے استاذ الشیخ الدکتور الشریف حاتم العونی لکھتے ہیں:

يا معشر أتباع السلف: ليس من منهج السلف تقديمُ ناشرٍ للخنا والزنا والربا؛ لأنه غير متلبسٍ ببدعة، على عالم فاضل عابد مجاهد؛ لأنه تلبّس ببدعة ؛ لأنّ شرّ الثاني ليس مطلقاً أعظمُ من شرّ الأول، بل بما لم يكن بينهما تقارب. وإلا فهل يستطيع أحدٌ أن يقدّم بعض من أقام بيوت الخنا والربا من كبار الفُسّاق في زماننا على العز ابن عبد السلام أو تقي الدين السبكي أو الباقلاني أو الأشعري لمذهبهم العقدي؟ !!! إن كنّا لا نُحسن استخدام تقسيم الناس إلى سُنّي وبدعي، إلا على ذلك الوجه الظالم الجائر، الذي ليس من منهج السلف، فخيرٌ لنا أن لا نستخدمه. وقد بيّنتُ آنفًا أن استخدامه المصلحي مبنيٌ على أمرين: التشديد في التنفير من البدعة نفسها، وأن لا يُتشدّ مع صاحبها إلا بقد ما يدفع إفساده، مع حفظ ما لا يُهدر من حقوقه، وأن لا يقودنا هذا التقسيمُ إلى تقديم صاحب الشرّ الأعظم كمردةِ الفسّاق على صاحب الشر الأخف كالعالم الصالح المبتدع، وكما لم

يُلغ فسقُ الفاسق حقهُ الإسلاميّ العام إلغاءً مطلقاً، فكذلك لا يُلغي الابتداعُ حقّ المبتدعِ المسلم في الحق الإسلامي العام الإلغاء المطلق. وأرجَو أن يقرأ المسلمون علماء و دعاةً وعمو م المسلمين هذا النداء بعمق وتعقّل، وأن يعلموا أنه نداء محبّ شفيق، ومن عاش مع السنّة حتى جاوز الأربَعين.[1]

”اے سلف صالحین کی اتباع کرنے والو! یہ سلف کا منہج نہیں ہے کہ تم فحاشی، زنا اور سود کو عام کرنے والوں کو اس بنیاد پر کہ ان میں بدعت نہیں ہے کسی ایسے عالم فاضل عابد اور مجاہد پر فضیلت دو کہ جس میں کوئی بدعت ہے کیونکہ دوسرے کا شر پہلے سے کسی طور بڑا نہیں ہے بلکہ دونوں میں کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔ کیا تم میں سے کسی میں یہ جرات ہے کہ وہ سینما گھر اور بینک جیسے ادارے بنانے والے فساق وفجار کو عزبن عبد السلام، تقی الدین سبکی، علامہ باقلانی اور ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ پر ان کے بدعی نظریات کی وجہ سے ترجیح دے۔ اگر ہم سنی اور بدعتی کی اصطلاحوں کو ان ظالمانہ معانی میں ہی استعمال کرنا چاہتے ہیں تو اس سے بہتر ہے کہ ہم اس تقسیم کو ختم کر دیں کیونکہ اس معنی میں یہ تقسیم سلف سے ثابت نہیں ہے۔ میں ابھی واضح کر چکا ہوں کہ سنی اور بدعتی کی تقسیم مصلحت کی بنیاد پر دو وجوہات سے جائز ہے؛ اور وہ یہ ہے کہ خود بدعت سے دور رکھنے میں تو پورا زور لگایا جائے لیکن صاحب بدعت کے معاملے میں اتنی ہی سختی روا رکھی جائے کہ جس سے اس کا فساد دور ہو جائے اور ساتھ میں اس کے بحیثیت مسلمان حقوق کو ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ سنی اور بدعتی کی یہ تقسیم ہمیں بڑے شر کے حاملین فساق وفجار کو چھوٹے شر کے حاملین صالح لیکن بدعتی عالم پر ترجیح دینے پر مائل نہ کرے۔ جس طرح کسی فاسق وفاجر کا فسق وفجور اس کے اسلامی حقوق کو معطل نہیں کرتا تو اسی طرح کسی مسلمان کی بدعت بھی اس کے بطور مسلمان حقوق کو معطل نہیں کرتی۔ میں یہ امید کرتا ہوں کہ علماء، داعیان دین اور عام مسلمان ہماری اس دعوت پر گہرائی سے غور وفکر کریں گے اور اسے ایک ایسے محب اور شفیق کی دعوت سمجھ کر پڑھیں گے کہ جس نے سنت وحدیث کی صحبت میں چالیس سال گزارے ہیں۔“

---

1 الشريف حاتم العوني، الدكتور، التعامل مع أهل البدع، إصدار الموقع الرسمي للشيخ:٤٩

تعامل بین المسالک اور اکابر اہل حدیث علماء کا منہج

تعامل بین المسالک کے حوالے سے اہل حدیث کا منہج کیا ہے، وہ اکابر اہل حدیث علماء نے دوٹوک انداز میں واضح کر دیا ہے۔ اس منہج کو اگر ایک جملے میں ہم بیان کرنا چاہیں تو وہ ﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ کا قرآنی اصول ہے یعنی نیکی اور تقوی کے کاموں میں اپنے مسلک اور جماعت سے بالاتر ہو کر دوسروں کے ساتھ تعاون کرو۔ اب جو تو خود کو اپنے اکابر اہل حدیث علماء کی تحریک کا ایک تسلسل سمجھتے ہیں وہ تو اپنے اکابر کے ان اقوال کو خوشی خوشی قبول کریں گے۔

تعامل کے باب میں مولانا حنیف ندوی اور مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال زریں

مولانا حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”دوسری جماعتوں سے ہمارے تعلقات: ہم اس کے مخالف نہیں ہیں کہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر اہل حدیث تعلیمی یا سیاسی یا معاشرتی کاموں میں حصہ لیں، کیوں کہ ایسا نہ کرنا نہ صرف ان [اہل حدیث] کے لیے بمنزلہ پیغام موت ہے، بلکہ اہل حدیث کے اس تصور کے منافی ہے جس پر ان کی تمام مساعی کی بنیاد رہی ہے، کیونکہ یہی تو وہ جماعت ہے جو مسلمانوں میں اخوت و یگانگت کی صحیح فضا پیدا کرنا چاہتی ہے۔“[2]

مولانا حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہ یک اور جگہ لکھتے ہیں:

”تنگ نظری اور تعصب سے بھی ہمیں کوئی نسبت نہیں۔ ہمارا معاملہ تمام اسلامی جماعتوں کے ساتھ ہمیشہ اس انداز کا رہا ہے اور رہے گا کہ معروف کی حد تک ہم سب کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اور یہ کسی مصلحت کی بنا پر نہیں، کیونکہ ہمارا مسلک ہی یہی ہے کہ جہاں سچائی پاؤ، اس کی تائید کرو، اسے اپناؤ اور اس کی حمایت کرو۔“[3]

ایک اور قرآنی اصول کہ جسے تعامل بین المسالک کے حوالے سے مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ

---

۱ ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدۃ: ۲]

۲ مولانا حنیف ندوی، اہل حدیث کا دینی تصور اور ان کے خلاف ہمہ گیر برہمی کے اسباب:۶۹

۳ اہل حدیث کا دینی تصور،:۱۵۵

جس مسلک اور جماعت میں بھی آپ کو کچھ بھی خیر اور بھلائی نظر آئے تو آپ اس کی تحسین کریں۔[1] مولانا حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے لکھتے ہیں:

"مجھے یاد ہے جب عائلی قوانین پر جمعیت اہل حدیث کی ایک مقرر کردہ سب کمیٹی میں بحث و تمحیص ہوئی، تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارا نقطہ نظر یہ نہیں ہونا چاہیے کہ حکومت کی طرف سے اصلاحات کے نام پر جو قدم بھی اٹھایا جاتا ہے وہ سر تاپا غلط ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس میں سے کون سے اقدامات صحیح ہیں اور کون سے غلط۔ مولانا مرحوم کا موقف اس سلسلہ میں یہ تھا کہ ہمیں ان مسائل پر سیاسی اور گروہی تعصبات سے بالا ہو کر خالص کتاب و سنت کی روشنی میں غور کرنا چاہیے۔ چنانچہ ان اصلاحات میں اگر دس فیصد بھی ہمارے نقطہ نظر کے مطابق صحیح چیزیں پائی جائیں تو ہمیں چاہیئے کہ بلا لومۃ لائم ہم جہاں نوے فیصد مسائل میں حکومت کی مخالفت کریں وہاں دس فیصد صحیح اقدامات پر اس کی تعریف بھی کریں۔"[2]

مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ اتحاد امت کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں، جس میں اجتماعیت کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ وقت ایسا ہے کہ مسلمان سر جوڑ کر مل بیٹھیں اور اپنی اجتماعی، قومی، وطنی اور ملی ضرورتوں کو سوچیں۔ اختلاف دنیا میں رہا ہے، رہے گا، اس کا کلی طور پر اٹھ جانا بظاہر مشکل ہے۔ ان حالات میں مختلف گروہ اور جماعتیں ان اختلاف کی موجودگی میں بھی اپنے مشترک اور اجتماعی مسئلوں پر سوچنے کے لیے ملیں تو ملک کی خوش قسمتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مذہب کا بھی اس میں فائدہ ہے... اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعوت دے سکتے ہیں اور اس دعوت کے مخاطب یہود اور نصاری کو بنا سکتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے اختلافات تو اس سے بہت کم ہیں۔ میں اور لاہور کے بعض دوست اتنے دور نہیں ہیں، جتنے کہ یہودی اور عیسائی... آپ کو معلوم ہے کہ ہم مختلف مسلمان گروہ بڑے عرصے سے آپس میں جھگڑ رہے ہیں، لیکن ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اب تک مٹا نہیں سکا، بلکہ جتنی کسی کی زیادہ نمایاں

---

۱ ﴿وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ﴾ [آل عمران ۷۵]؛ ﴿وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝﴾ [المائدۃ: ۸۲]

۲ ابو بکر غزنوی، سید، حضرت مولانا داود غزنوی: ۴۱-۴۲

مخالفت کی گئی، وہ اتنا بڑھا ہے۔ اس لیے محض یہ ہنگامہ آرائی اور اختلاف نوازی، یہ کوئی مشغلہ ہے؟... میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ذہن اچھا نہیں۔ ہمیں اکفار و تکفیر کو کسی وقت کے لیے رکھنا چاہیے، لیکن ایک دوسرے کو قریب سے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ لیکن بد نصیبی یہ ہے کہ اس ضرورت کے باوجود اس وقت تک ملک میں کوئی ایسا ذہن نہیں پیدا ہو سکا۔ اس کا ایک سبب تو یہ بھی تھا کہ آج سے کچھ وقت پہلے اس ملک میں ایک اجنبی حکومت بر سر اقتدار تھی۔ ان کا ایک مقصد یہ تھا کہ ملک میں مختلف فرقے آپس میں جھگڑیں اور ان کا وقت، ان کی طاقتیں باہم جھگڑوں میں ختم ہوں اور ہم آرام سے حکومت کریں۔ اب انھوں نے ہم لوگوں کو عادی بنا دیا ہے کہ ہم باہم لڑتے رہیں، لیکن آپ یقین کریں کہ اب وہ وقت گزر چکا۔"[1]

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ دیوبند کے مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تمام عمر عیدین کی نماز مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے پڑھتے رہے۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی جب وفات ہوئی تو مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج دین کا ایک ستون گر گیا اور میرے دوستوں میں ایسا خلا پیدا ہو گیا کہ جو کبھی پُر نہ ہو سکے گا۔[2] بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے مولانا سید ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ تحریک ختم نبوت کے زمانے میں مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو نماز میں امامت کے لیے اصرار کرتے جبکہ مولانا ان سے اصرار کرتے۔

مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا نہ صرف احترام کرتے بلکہ ان سے مشترکہ اسلامی معاملات میں مشورہ بھی کرتے تھے اور ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے[3]۔ تحریک عدم تعاون کے زمانے میں مولانا داود غزنوی مولانا ظفر علی خان کو اصرار کر کے پیر جماعت علی شاہ سے ملوانے لے گئے حالانکہ وہ ان کے شدید سیاسی مخالف تھے۔ پیر جماعت علی شاہ نے مولانا داود غزنوی کے لیے اپنی مسند خالی کر دی اور کہا کہ آپ سید ہیں اور بہت بڑے علمی اور مجاہد خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ خود بھی عالم ہیں اور نیک کام کے لیے نکلے ہیں۔ ہمارے معزز مہمان ہیں اور اس مسند پر آپ ہی تشریف رکھیں، رحمۃ اللہ علیہم۔[4] مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ تعزیتی خط بتلایا کہ ایک مرتبہ مولانا نے ان سے کہا تھا کہ

---

۱ مقالات و فتاوی شیخ الحدیث مولانا اسماعیل سلفی: ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰

۲ مولانا داود غزنوی: ۱۴۴

۳ مولانا داود غزنوی: ۱۴۵

۴ مولانا داود غزنوی: ۱۶۱

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد چالیس مرتبہ یہ دعا "یا حي یا قیوم لا إله إلا أنت أصلح لي شأني کله ولا تکلني إلی نفسي طرفة عین" پڑھتے تھے اور خود مولانا کا بھی یہی معمول ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن سے میں نے بھی اسے اپنا معمول بنالیا۔[1]

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا بریلوی اور دیوبندی علماء سے تعامل

مؤرخ اہل حدیث مولانا اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"مولانا کے جود وسخا کا ایک واقعہ مولانا محمد بخش مسلم مرحوم نے سنایا، جو احناف کے بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ سید حبیب بیمار ہوگئے اور کئی دن صاحب فراش رہے، وہ مسلکاً بریلوی تھے اور روزنامہ سیاست کے مالک اور ایڈیٹر تھے جو لاہور سے شائع ہوتا تھا اور اپنے زمانے کا مشہور اخبار تھا۔ خود سید صاحب کی ملک کے سیاسی ومذہبی حلقوں میں بڑی شہرت تھی۔ سید حبیب فقہی مسلک کے اعتبار سے مولانا ثناء اللہ کے مخالف تھے اور اخبار میں سلسلہ بحث جاری رہتا تھا۔ مولانا کو ان کی بیماری کا پتہ چلا تو عیادت کے لیے لاہور تشریف لائے اور ان کے مکان پر پہنچے۔ مولانا محمد بخش مسلم نے بتایا کہ اس وقت وہ بھی سید حبیب کے پاس موجود تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے مزاج پرسی کی، چند منٹ ان کے پاس بیٹھے اور پھر بقول مولانا محمد بخش مسلم کے ان دونوں سے نظر بچا کر چپکے سے ایک لفافہ سید حبیب کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ لیکن سید صاحب کو اس کا پتہ چل گیا اور بات ظاہر ہوگئی۔ سید صاحب نے شکریہ ادا کیا اور لفافہ واپس کرنے کی کوشش کی، ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مولانا نے ان کے لیے دعا کی، انہیں تسلی دی اور اصرار کیا کہ وہ لفافہ رکھ لیں۔ سید صاحب نے وہ لفافہ کھولا تو اس میں سو روپے کے نوٹ تھے۔ یہ ۱۹۳۰ء یا اس کے لگ بھگ کی بات ہے اور سو روپے کی رقم اس دور میں بہت بڑی رقم تھی۔ بلکہ سو روپے والے بعض ایسے لوگ بھی تھے جو عام آدمیوں سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔"[2]

آگے چل کر مولانا اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بارہا ایسا ہوا کہ کسی جگہ کی انجمن یا کسی دینی جماعت کو، وہ ان کے مسلک کے حاملین کی ہو یا کسی

---

۱ مولانا داود غزنوی: ۲۰۹-۲۱۰

۲ اِسحاق بھٹی، مولانا محمد، بزم ارجمنداں: ۱۷۸-۱۷۹

دوسرے مسلک کی، اشتہارات یا تبلیغی رسائل چھپوانے کی ضرورت پڑی اور بات مولانا کے علم میں لائی گئی، انھوں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا، کتابت کرائی۔ کاغذ خریدا، اسے اپنے پریس سے چھپوایا اور کام مکمل کر کے متعلقہ پارٹی کے حوالے کیا۔ کسی سے ایک پیسہ وصول نہ کیا۔"[1]

یہ تھے ہمارے اہل حدیث علماء کے اخلاق اور ان کا دوسرے مسالک و مکاتب فکر سے تعامل کہ ان کی فکر بغیر پیسے لیے چھاپ رہے ہیں۔ یہ ہیں اصل میں امت کے علماء کہ جن کو انبیاء کا وارث کہا گیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ امت کے اکابر علمائے اہل حدیث کے ایسے ہی جود و سخا پر مبنی تعامل سے مسلک اہل حدیث برصغیر پاک و ہند میں پھیلا ہے۔ مدخلی سلفیوں کے بعض گروپس سے معلوم ہوا کہ پاکستان میں کوئی ایک بھی اہل حدیث عالم دین ایسا نہیں ہے کہ جس کا منہج صحیح ہو۔ سب علماء کا منہج غلط ہے اور بدعتی منہج ہے۔ پوچھنے پر وہ صرف دو طلباء کا نام لیتے ہیں کہ پورے پاکستان میں صرف ان دو ہی کا منہج درست ہے اور صرف یہی دو صحیح سلفی منہج پر ہیں؛ ایک طارق بروہی اور دوسرا زبیر عباسی۔

مولانا اسماعیل سلفی اور مولانا داود غزنوی کے مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ سے تعلقات

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کبار اہل حدیث علماء دوسرے مسلک کے علماء سے بھی مالی تعاون کا معاملہ کر لیتے تھے یا بعض اوقات ان کی کتابیں اور لٹریچر پبلش کرنے میں بھی ان سے مالی تعاون کر دیتے تھے لیکن یہ کیسے ثابت ہو گا کہ ہمارے کبار علماء دوسرے مسلک کے علماء سے ملنے کے لیے جاتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے، اور ان کی تعریف بھی کرتے تھے کیونکہ اہل بدعت سے ملاقات، ان کے احترام اور ان کی تعریف سے تو بندہ خود بدعتی ہو جاتا ہے؟

یہ دین علم سے زیادہ اخلاق سے پھیلا ہے، اس نکتے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ اسی کو سمجھ آسکتا ہے کہ جس نے معاشرے میں نکل کر کام کرنا ہو۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی مفتی محمد حسن جو کہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز بھی تھے، کے ساتھ کبار اہل حدیث علماء کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ مفتی محمد حسن، مولانا اسماعیل سلفی کے استاذ اور مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اس سے آپ دونوں مکاتب فکر کے چوٹی کے علماء میں باہمی تعامل کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہم یہ بھی بتلا دیں کہ مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے پہلے امیر تھے اور ان کی وفات کے بعد مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ اس کے امیر مقرر

---

1 ایضاً: ۱۷۹

ہوئے۔ یہ اس وقت کی ٹاپ کی اہل حدیث اور حنفی علماء کی قیادت کی بات ہو رہی ہے، کسی عام مولوی کی نہیں۔

مولانا اسماعیل سلفی، مولانا حنیف ندوی اور مولانا اسحاق بھٹی کے ساتھ مفتی محمد حسن صاحب کی عیادت کرنے گئے اور مولانا اسحاق بھٹی کے بیان کے مطابق مولانا اسماعیل سلفی بہت احترام سے نظریں نیچی کر کے مفتی صاحب کے ارشادات سنتے رہے[1]۔ مولانا اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ مفتی محمد حسن بہت اچھے واعظ، خوش بیان خطیب، اونچے پائے کے مبلغ، منجھے ہوئے مدرس، رواداری، متانت، خلوص اور حلم و بردباری کے اوصاف حسنہ کے جامع تھے، رحمۃ اللہ علیہ[2]۔

ایک مرتبہ کسی اختلافی مسئلے کے اندازِ بیان میں مفتی محمد حسن ناراض ہو گئے تھے تو مولانا داود غزنوی نے مولانا اسماعیل سلفی کو کہا کہ مفتی محمد حسن ہم تک اپنا شکوہ پہنچا رہے ہیں اور اس کا ازالہ ہونا چاہیے۔ تو اس پر مولانا اسماعیل سلفی نے مولانا داود غزنوی کو خط لکھ کر کہا کہ انہیں مفتی محمد حسن کی ناراضی پر تکلیف ہوئی ہے اور علمائے دیوبند میں سے وہی ہیں کہ جن کے علم، خلوص، تقوی اور زہد پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ وہ میرے محسن ہیں اور میرے دل میں ان کا احترام ہمیشہ رہے گا[3]۔ اور مفتی محمد حسن بھی اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ جن سے میں نے فیض حاصل کیا ہے، ان میں دو بڑی ہستیاں ہیں؛ ایک مولانا عبد الجبار غزنوی جو کہ مولانا داود غزنوی کے والد محترم تھے اور دوسرا مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ[4]۔

مولانا محمد حسین ہزاروی جو کہ مفتی محمد حسن کے دوست اور ہم وطن تھے، پہلے حنفی تھے لیکن مدرسہ غزنویہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اہل حدیث ہو گئے اور وہاں مدرس بھی مقرر ہوئے۔ یہ اس کے بعد بھی مفتی محمد حسن کے ساتھ مولانا اشرف علی تھانوی کو ملنے تھانہ بھون جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا تھانوی نے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ پیچھے نماز میں مولانا ہزاروی کی آمین کی اونچی آواز نہیں آتی؟ مفتی محمد حسن نے کہا کہ شاید آپ کے احترام میں آہستہ آمین کہتے ہیں۔ تو مولانا تھانوی نے کہا کہ انہیں کہیں کہ مجھ پر اس سنت کے ترک کا بوجھ نہ ڈالیں۔ اور انہیں کہیں کہ یہاں اونچی آواز سے آمین کہیں، کوئی انہیں روکنے والا نہیں ہے۔[5]

---

۱ بزم ارجمنداں: ۲۹۰

۲ بزم ارجمنداں: ۲۹۲

۳ بزم ارجمنداں: ۲۹۶

۴ ایضا: ۲۹۹

۵ بزم ارجمنداں: ۳۰۳

ہم اہل حدیث نوجوانوں کو یہ ضرور کہیں گے کہ وہ دو لوگوں کو ضرور پڑھیں؛ مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کہ جنہوں نے برصغیر پاک وہند کی تحریک اہل حدیث کی صحیح فکر اور سوچ کو ایسے بیان کیا ہے کہ بندہ داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا مورخ اہل حدیث مولانا اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کہ جنہوں نے تقریباً ایک صدی پر محیط اپنے معاصر اہل حدیث علماء کی تاریخ کو مدون کر کے ہمارے اکابر علماء کے دعوتی و تبلیغی منہج کا ایک عظیم اسوہ ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

اب تو واقعہ یہ ہے کہ مولانا اسماعیل سلفی اور مولانا اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہما کی کتابیں چھاپنے والوں کو معلوم نہ ہو گا کہ وہ کیا خزانہ چھاپ گئے ہیں۔ معذرت کے ساتھ، جو سلفیت آپ کو اپنے ارد گرد نظر آ رہی ہے اور جو اہل حدیثیت آپ کے اکابر اہل حدیث علماء کی ہے، اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم ان شاء اللہ! مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تحریک آزادی فکر" اور مولانا اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "بزم ارجمنداں" کی اہل حدیث نوجوانوں کے لیے مسلسل کلاسز اور لیکچرز کا اہتمام شروع کرنے والے ہیں تاکہ ہمارے نوجوان اپنے اکابر کی اصل فکر اور منہج سے جڑیں، اپنے ان اسلاف کو پڑھیں، سمجھیں اور ان کے اسوہ پر عمل کریں تاکہ اہل حدیث فکر ایک تحریک کے طور اپنے تسلسل کو جاری رکھ سکے۔

حلفاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ کبھی تنہائی میں اپنے اکابر علماء مولانا عبد اللہ غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہم کا تذکرہ ایک آدھ گھنٹہ بھی مولانا اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں پڑھتا ہوں تو ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ ان کے خط پڑھ کر بھی آپ اللہ کا جو قرب محسوس کریں گے، وہ ان مدخلی و منہجی مجالس کی تفسیر سن کر بھی حاصل نہ ہو گا کیونکہ خط میں محبت کی تعلیم ہے اور ان کے ہاں تفسیر کے نام پر نفرت سکھلائی جا رہی ہے۔ اور انسانی طبیعت ہے کہ محبت کی بات سے دل نرم ہوتا ہے اور نفرت سن کر سخت ہو جاتا ہے۔ تو دل نرم ہو گا تو کوئی کیفیت طاری ہو گی، سخت دلوں پر کیا کیفیت طاری ہونی ہے۔ میری تو سب سے بڑی حسرت یہی رہی ہے کہ کاش کہ ان علماء کی صحبت نصیب ہو جاتی۔ لیکن نہیں ہو سکی، اللہ کا حکم۔ چلیں آئیں، آج کتابوں کے ذریعے ہی ان کی صحبت میں کچھ بیٹھ جائیں۔ اور یقین مانیں، کتابوں کے ذریعے ان اکابر علماء کی صحبت سے جو آپ کو فکری اور روحانی فائدہ حاصل ہو گا، اور جو آپ اللہ کا قرب محسوس کریں گے، وہ سالہا سال کی منہجی صحبتوں سے بھی حاصل نہ ہو پائے گا۔ یہ سب کر کے دیکھ لیں۔

مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے باہمی روابط و تعلقات

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ انہیں پہلی مرتبہ ساہیوال میں اہل الحدیث کی ایک کانفرنس میں مولانا داود غزنوی کا خطبہ جمعہ سننے کا موقع ملا کہ جس میں بلا کا سوز اور انتہا کا درد تھا اور دوران تقریر مولانا کی آنکھوں میں نمی از ابتدا تا انتہا رہی اور اس حدیث کے بیان پر تو مولانا نے زار و قطار رونا شروع کر دیا کہ جس میں ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب میں فرمایا تھا کہ انسان جنت میں اس کے ساتھ ہو گا کہ جس سے اسے محبت ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مولانا کا خطبہ سن کر سب اہل حدیث علماء کے سخت ہونے کا جو میرا تاثر تھا، وہ جاتا رہا[1]۔

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ رقت اور سوز مولانا کی طبیعت کا مستقل جزو تھے اگرچہ وہ اپنے مسلک میں ادنی درجے کی بھی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان کا دل بہت کھلا تھا اور جس میں بھی کوئی خوبی نظر آتی تو اس خوبی کا کھلے دل سے اعتراف کرتے تھے، بھلے وہ ان سے چھوٹا ہوتا یا بڑا ہوتا[2]۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا داود غزنوی نے اپنے خطبہ جمعہ میں یہ کہا کہ ہم ائمہ اربعہ سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن خدا شاہد ہے کہ ہمارے دلوں میں ائمہ اربعہ کا اتنا ہی احترام موجود ہے جس قدر ان کے مقلدین کے دلوں میں ہے لیکن حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت بہر حال ہمارے دلوں میں ان ائمہ کے اقوال سے زیادہ ہے۔[3]

مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خطبے میں یہ بھی کہا کہ شیخ ابن عربی کے نظریہ وحدت وجود پر سب سے سخت تنقید مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے لیکن اس کے باوجود حضرت مجدد نے شیخ ابن عربی کا نام بہت ادب اور احترام سے لیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شیخ ابن عربی کے بارے میں ان کے اس انداز میں تذکرے سے میں بڑا حیران ہوا اور میں نے خطبہ جمعہ کے بعد کھانے میں ملاقات پر مولانا سے پوچھا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو شیخ ابن عربی کا ایسے ذکر نہیں کرتے جیسے آپ نے کیا ہے؟ مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن عربی دونوں ہی ہمارے بزرگ ہیں۔ اپنے آپس کے اختلافات کو وہ جانیں۔

---

۱ ابو بکر غزنوی، سید، حضرت مولانا داود غزنوی: ۸۶

۲ ایضا

۳ مولانا داود غزنوی: ۸۷

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ یہ جواب دیتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے[1]۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس ملاقات نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ پھر جب بھی لاہور آنا ہوا تو مولانا کی خدمت میں حاضری ضرور دی اور خود مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مولانا داود غزنوی سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کی پہلی جلد ادھار مانگی تو کہنے لگے کہ یہ کتاب میں کسی کو ادھار نہ دیتا لیکن آپ سے خصوصی محبت ہے لہذا انکار نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر صاحب نے وہ کتاب ایک ماہ بعد نئی جلد بندھوا کر واپس لوٹائی تو مولانا بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ کتاب کے واقعی قدر دان ہیں[2]۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۹۶۲ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی تو مولانا بھی اس وقت رابطہ عالم اسلامی کے تاسیسی اجلاس میں شرکت کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے ہوئے تھے اور مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مولانا نے مجھے کہا کہ تم رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں میرے سیکرٹری کے فرائض سرانجام دو اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ منیٰ میں قیام کے دوران مولانا کی بڑی صاحبزادی پر ٹائیفائیڈ کا حملہ ہوا تو میں نے علاج بھی کیا اور سرکاری ہسپتال سے دوائی بھی ہی لا کر دیتا رہا کہ جس پر مولانا بہت شفقت کا اظہار فرماتے رہے۔ عرفات سے واپسی پر مولانا کی جب اپنی طبیعت ناساز ہو گئی تو ان کی طرف سے قربانی بھی ڈاکٹر اسرار رحمۃ اللہ علیہ نے ہی کی[3]۔

ڈاکٹر صاحب ایک اور واقعے کے بارے بتلاتے ہیں کہ میرے ایک اہل حدیث عزیز کو مولانا داود غزنوی سے رنجش تھی اور وہ مجھے حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں لے گئے جو ان دنوں مکہ مکرمہ میں ہی تھے۔ حافظ روپڑی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بعض لوگ مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے شکایات کر رہے تھے تو مجھ سے وہ سنی نہ گئیں اور میں نے قدرے سختی سے کہا کہ آپ لوگ پاکستان سے دو اڑھائی ہزار میل کا سفر کر کے یہاں ارض مقدس میں آئے ہیں، یہاں تو اپنے اختلافات بھلا کر اتحاد اور اعتماد کی فضا قائم کریں۔ تو سارا مجمع سناٹے میں آ گیا اور حافظ روپڑی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی بات

---

۱ مولانا داود غزنوی: ۸۸

۲ ایضا: ۸۹

۳ ایضا: ۹۰

کی مکمل تائید کی اور گفتگو کا رخ موڑ دیا[1]۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا کے ساتھ مسجد نبوی میں کندھے سے کندھا ملا کر نماز کے لیے کھڑا ہوا تو تکبیر تحریمہ سے قبل ہی یہ دعا پڑھنی شروع کی: «إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ...» تو مولانا نے تصحیح کی کہ تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا پڑھا کریں[2]۔

بھلا کوئی مدخلی و منہجی فکر سے پوچھ کر بتلائے کہ مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ قربانی ہو گئی تھی یا دوبارہ دینے کی ضرورت ہے؟ لگے ہاتھوں یہ بھی پوچھ لیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کو سیکرٹری بنانے کے بعد مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ پر کیا حکم لگے گا؟ اور شیخ ابن عربی کے بارے فتوی نہ لگا کر جو تساہل مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے برتا ہے، اس تساہل کی بنیاد پر ان کے منہج کے بارے کیا حکم ہے کہ کیا وہ سلفی منہج پر تھے یا بدعتی منہج پر؟ اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جو مولانا نے محبت کا اظہار کیا تو اس میں عقیدہ الولاء والبراء کی مخالفت ہوئی یا نہیں؟

یہ واضح رہے کہ مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ وحدت الوجود کے قائل نہیں تھے لیکن وہ شیخ ابن عربی کے احترام کے ساتھ تذکرہ کے قائل تھے۔ یہ اصل میں اکابر علمائے اہل حدیث کا منہج تھا کہ اپنی فکر میں دوٹوک، واضح اور کھرے تھے لیکن اپنے رویوں اور میل جول میں بہترین اخلاق، اور دوسروں سے اختلاف اور ان پر نقد میں تہذیب و شائستگی کا دامن تھامے ہوئے تھے!

ہم یہ بھی نہیں کہہ رہے کہ آپ ہمارے منہج کے مطابق کام کریں۔ صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ہمارے منہج کے مطابق کام کرنے دیں۔ اگر ہمارے بارے سوشل میڈیا پر کوئی مہم جوئی کریں گے تو پھر ہم آپ کو اپنے اکابر اہل حدیث علماء کی تاریخ سے آئینہ دکھا دیں گے کہ یہ اصل میں اہل حدیثیت ہے۔ اس لیے خاموشی سے اپنا کام کرتے رہیں، اسی میں آپ کا بھلا ہے۔ اللہ عزوجل نے ہر شخص کو اس کی اپنے ہاں حیثیت کے مطابق کام پر لگایا ہوا ہے۔ اللہ عزوجل ہم سے واقعی دین کی کوئی بڑی خدمت لے لے کہ ہم اپنے اکابر اہل حدیث علماء کی طرح امت کے علماء بنیں نہ کہ فرقوں کے علماء۔ اور امت میں بریلوی دیوبندی بھی شامل ہیں، حنفی مالکی بھی شامل ہیں، اور ماتریدی اشعری بھی شامل ہیں۔ اگر اپنے علاوہ کو امت سے نکالیں گے تو تکفیری کہلائیں گے۔

---

۱ ایضا: ۹۱

۲ ایضا

اکابر اہل حدیث علماء کے شیعہ علماء سے روابط و تعلقات

اکابر اہل حدیث علماء میں اس قدر وسعت فکر تھی کہ وہ ملی اور اجتماعی مسائل میں اور دین کے غلبے کی جدوجہد میں اہل تشیع کے علماء کو بھی ساتھ شامل کر لیتے تھے تاکہ اسلامی ریاست کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔ اسلامی ریاست کی بنیاد کے طور بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور اہل تشیع کے چوٹی کے علماء نے جو اجتماعی بائیس نکات دیے تھے، ان کے پیچھے مولانا داود غزنوی کی بہت سی کاوشیں کارفرما تھیں کہ انہوں نے مختلف مکاتب فکر کے علماء کے ساتھ اس وقت کے معروف شیعہ عالم دین مفتی جعفر حسین کو بھی اپنے گھر پر بلوایا تھا۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے اس کی تفصیل اپنی کتاب میں بیان کی ہے، رحمۃ اللہ علیہ[1]۔

سب کو معلوم ہے کہ یہ کوئی اہل تشیع کے ساتھ نظریاتی اتحاد نہیں تھا بلکہ اجتماعی اور ملی مسائل میں مل جل کر کاوش کرنے کی جدوجہد تھی تاکہ مملکت پاکستان میں تمام مذہبی طبقات کی مشترکہ جدوجہد سے خیر کا پلڑا مجموعی طور بھاری رہے کیونکہ مد مقابل شر اور لادینیت کی ساری قوتیں اور طاقتیں جمع ہو چکیں تھیں۔ ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ اجتماعی امور مثلاً الحاد، مذہب بیزاری، لبرل ازم، سیکولرازم، بے حیائی، منشیات اور بیرونی فکری اغوا کاروں کے خلاف مختلف مکاتب فکر کی طرف سے مشترکہ جدوجہد وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس کے لیے مختلف مکاتب فکر کے علماء اپنی شناخت باقی رکھتے ہوئے بھی مل جل کر کام کر سکتے ہیں۔ اور اسی ضرورت کو اکابر اہل حدیث علماء محسوس کرتے تھے۔

اسی طرح آپ کے اکابر علماء میں کچھ تو تھا کہ اہل تشیع میں درجہ اجتہاد پر فائز مفتی جعفر حسین جیسے شیعہ عالم دین، مولانا اسماعیل سلفی جیسے اہل حدیث عالم دین کے شاگرد رہے بلکہ مولانا حنیف ندوی کے کلاس فیلو بھی رہے۔[2] مفتی جعفر حسین دیوبند کے عالم دین مولانا محمد چراغ سے بھی پڑھتے رہے۔ آج اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے کہ کوئی شیعہ عالم دین کسی اہل حدیث عالم دین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرے۔ تو آپ کے بڑوں نے اپنے مدرسوں اور مساجد کے دروازے تعلیم و تعلم اور میل ملاقات کے لیے کھلے رکھے تھے، بند نہیں کیے

---

۱ بزم ارجمنداں: ۵۱۹

۲ بزم ارجمنداں: ۵۲۱

تھے۔ اور پھر امت کے اجماعی اور ملی مسائل میں اس سے فائدہ بھی اٹھایا، رحمۃ اللہ علیہم۔

مولانا اسحاق بھٹی کے بقول مفتی جعفر حسین کی مولانا اسماعیل سلفی اور مولانا حنیف ندوی سے میل ملاقات رہتی تھی اور آنا جانا لگا رہتا تھا بلکہ اکثر مفتی صاحب تشریف لاتے تھے[1]۔ اب مولانا اسماعیل سلفی اور مولانا حنیف ندوی نے تو یہ نہیں کہا کہ مفتی جعفر حسین بدعتی ہے لہذا ہم نے اس سے ملاقات نہیں کرنی یا رابطہ نہیں رکھنا ہے۔ بلکہ مولانا اسحاق بھٹی نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ مجلہ "المعارف" میں چھاپنے کے لیے جس کے وہ ایڈیٹر تھے، اہل تشیع کے علماء سے بھی مختلف موضوعات پر مضامین وہ مانگ لیا کرتے تھے۔ بس اتنا کہتے تھے کہ صرف شیعہ موقف بیان کریں، بے جا تنقید نہ کریں، رحمۃ اللہ علیہم۔[2]

مسئلے کا حل یہی ہے کہ جو منہج آپ کو سمجھ آیا ہوا ہے، اسے اپنی اجتہادی رائے سمجھیں اور اسے کتاب سنت قرار دے کر اس کے مخالف رائے رکھنے والوں پر فتوے نہ لگائیں ورنہ تو سب سے پہلے آپ کے اکابر علماء کی طرف فتوے لوٹ کر آئیں گے بلکہ معاصر علماء کی بھی ایک بڑی جماعت پر۔ جو کچھ بولا اور لکھا جا رہا ہے، ایک تاریخ بن رہا ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ مستقبل کا مورخ لکھے کہ مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی زوال کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ شام، عراق، یمن، لیبیا، کشمیر، فلسطین اور غزہ تباہ ہو رہے تھے، نوجوان نسل میں الحاد، مذہب بیزاری، سیکولرازم، لبرل ازم، بے حیائی، منشیات، سود، شراب نوشی، ایل جی بی ٹی یعنی ہم جنس پرستی کے بازار گرم تھے اور ایک مسلک کے ایک عالم دین اپنے ہی مسلک کے ایک دوسرے عالم دین سے نہ ملنے کے یہ اسباب بیان کر رہے تھے کہ وہ دوسرے مسلک کے علماء سے ملاقات کر آئے ہیں یا ایک مسلک کے نوجوان علماء اپنے مسلک کے کسی بزرگ شیخ الحدیث کو سوشل میڈیا پر اس بنیاد پر رگید رہے تھے کہ انہوں نے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں پڑھنے کو حرج قرار نہیں دیا تھا۔ ہمیں اچھا لگے یا برا لیکن اب تو یہ تاریخ بن چکا ہے اور تاریخ کے صفحات میں رقم ہو چکا ہے۔ ہمیں اپنی اگلی نسل کی سوچ کی اصلاح کرنی ہے اور یہ ذمہ داری اصلاً بڑے علماء کی ہے۔

(ڈاکٹر حافظ محمد زبیر)

---

۱ بزم ارجمنداں: ۵۲۴

۲ بزم ارجمنداں: ۵۲۵

شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)

قسط (۶)

افادات: ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
ترتیب: حافظ عبد الرحمن عزیز

مذکورہ بالا دلائل سے اللہ تعالیٰ کے لیے علم غیب کا اثبات اور غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ہو جاتی ہے، لیکن قرآن مجید نے تاکیدِ مزید کے لیے ان تمام لوگوں سے بھی علم غیب کی نفی الگ الگ اور پوری وضاحت سے کی ہے جن کے متعلق بعض لوگ علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں، مثلاً

جنوں سے علم غیب کی نفی

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝۱۴﴾ [سبأ: ۱۴]

”پھر جب ہم نے سلیمان کے لئے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو ان کے عصا کو کھاتا رہا پھر جب وہ گر پڑے تب جنوں کو معلوم ہوا اور کہنے لگے کہ اگر وہ (جن) غیب جانتے ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔“

انبیاء علیہم السلام سے علم غیب کی نفی

جب دلائل سے ثابت ہو گیا کہ علم غیب کا تعلق کائنات کے نظام اور رب العالمین کی کارگزاری کے ساتھ ہے، اس سے خود بخود انبیاء علیہم السلام سے علم غیب کی نفی ہو جاتی ہے، کیونکہ کائنات کے نظام سے انبیاء کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، نبی صرف لوگوں کو علم شریعت بذریعہ وحی دینے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ قرآن مجید نے الگ سے اس موضوع کو وضاحت سے بیان کیا ہے:

حضرت نوح علیہ السلام کا اعتراف

سیدنا نوح علیہ السلام جو پہلے رسول اور اولو العزم رسولوں میں سے ہیں نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

[هود: ۳۱]

”میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں، نہ یہ کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو تم حقیر سمجھتے ہو، اللہ انہیں کبھی بھلائی سے نوازے گا ہی نہیں۔ جو ان کے دلوں میں ہے وہ تو اللہ خوب جانتا ہے۔ (اگر میں ان سب باتوں سے کوئی بھی بات کہوں تو) یقیناً میں ظالموں سے ہو جاؤں گا۔“

محمد ﷺ سے علم غیب کی نفی

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ [الأنعام: ۵۰]

”(اے محمد ﷺ!) آپ ان سے کہیے کہ: میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ ہی میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ ان سے پوچھیے: کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر تم لوگ کیوں نہیں سوچتے ہو۔“

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾﴾ [الأعراف: ۱۸۸]

”آپ کہہ دیجئے کہ: ”مجھے تو خود اپنے آپ کو بھی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں۔ مگر اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے (وہ ہوتا ہے)۔ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو محض ایک ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔“

﴿وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ [التوبة: ۱۰۵]

”اور ان سے کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ۔ اللہ اور اس کا رسول اور مومن سب تمہارے عمل کو دیکھ لیں گے۔ اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تم کو بتا دے گا۔“

﴿وَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ

الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ [یونس: ۲۰]

''اور کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ آپ ان سے کہیے کہ غیب کے امور تو اللہ کے اختیار میں ہیں، لہٰذا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔''

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [هود: ٤٩]

'(اے نبی!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پیشتر انہیں نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔ لہٰذا آپ صبر کیجئے کیونکہ انجام (بخیر) پرہیزگاروں ہی کا ہوتا ہے۔''

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَمْكُرُوْنَ﴾

[یوسف: ۱۰۲]

''(اے پیغمبر!) یہ اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں۔ اور جب برادران یوسف نے اپنی بات پکی کر لی تو وہ فریب کاری کر رہے تھے جبکہ آپ ان کے پاس تو نہ تھے۔''

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾

[سبأ: ۳]

''اور کافر کہتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی ہم پر نہیں آئے گی۔ کہہ دو کیوں نہیں آئے گی میرے پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آکر رہے گی۔ وہ پروردگار 'غیب' کا جاننے والا ہے ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور کوئی چیز ذرے سے بڑی یا چھوٹی نہیں مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔''

بعض لوگوں کو علم غیب پر مطلع کرنا

بعض لوگ مندرجہ ذیل آیات سے غیر اللہ کے لیے علم غیب کا اثبات کرتے ہیں؛

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ [آل عمران: ۱۷۹]

"اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے۔ بلکہ (اس کام کے لیے) وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے وحی کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ لہٰذا اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ اور اگر تم ایمان لے آئے اور اللہ سے ڈرتے رہے تو تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔"

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝﴾ [الجن: ٢٦ – ٢٨]

"وہی غیب کا جاننے والا ہے سو کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے اس کو غیب کی باتیں بتا دے تو اسکے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔ تاکہ معلوم فرمائے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں۔ اور یوں تو اس نے ان کی سب چیزوں کا ہر طرف سے احاطہ کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے۔"

آیت کے انداز سے واضح ہو گیا کہ یہاں غیب سے مراد مطلق علم غیب نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد علم شریعت وغیرہ[1] ہے جو وحی کے ذریعے انبیاء تک پہنچایا جاتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو من وعن پہنچا دیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مقصد سے کسی نبی کو بعض خاص چیزوں پر مطلع کر دیتا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق آتا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝﴾

[الأنعام: ٧٥]

"اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کا نظام سلطنت دکھا رہے تھے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔"

اسی طرح انہیں پرندوں وغیرہ کے دوبارہ احیاء کے ذریعے بعث بعد الموت کا مسئلہ سمجھایا۔ [البقرة: ٢٦٠]۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو اسراء و معراج میں نظام کائنات کے علاوہ لاہوتی رملکوتی نظام

---

[1] بعض دفعہ الہام غیر نبی کو بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کو بعض دفعہ تدبیری اور اجتہادی امور میں بھی بذریعہ الہام ووحی حق پر قائم رکھا جاتا ہے جس کے لئے 'عصمت' کی اصطلاح ہے۔ اور معصوم ہونا صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے بالخصوص جب نبوّت اور حکمرانی اکٹھی کر دی جائے۔ عصمت غیر انبیاء کے لئے نہیں ہوتی۔

سے متعلق بعض چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو نہ مطلق طور پر علم غیب ہے، نہ انبیاء کا اس سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور جو چیز دکھائی یا بتائی جائے وہ غیب نہیں رہتی، اسی لیے قرآن مجید کے کتنے مقامات پر انبیاء سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کا دعویٰ کرنے والے کو کذاب قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے حدیث آرہی ہے۔

علم غیب کا دعوی کرنا

ہمارے ہاں عیار لوگ علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دراصل لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، مثلاً ایک شخص کہتا تھا کہ میں اور میری ماں غیب جانتے ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ بارش برسے گی یا نہیں؟ ان میں سے ایک کہتا کہ برسے گی دوسرا کہتا کہ نہیں برسے گی۔ یقینی بات ہے کہ دونوں میں سے ایک تو سچا ہو گا۔

ہمزاد کے ذریعے غیبی باتیں جاننا

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک جن لگ جاتا ہے، جسے 'ہمزاد' کہتے ہیں۔ بعض لوگ ان جنوں سے تعلق قائم کر لیتے ہیں، پھر وہ ان کے ذریعے ایسی چیزیں معلوم کرتے اور لوگوں کو بتاتے ہیں جو عام لوگوں کے علم میں نہیں ہوتیں، مثلاً وہ بتاتے ہیں کہ آپ کی والدہ کا نام فلاں تھا، وہ فلاں وقت فوت ہوئی تھی، آپ یہ کھا کر آئے ہیں، آپ کے اتنے بہن بھائی ہیں۔ ایسی باتیں سن کر ایک اچھا بھلا آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ توحید میں پکے ہوتے ہیں وہ پریشان نہیں ہوتے۔

ہمارے تایا مرحوم حافظ عبداللہ محدث روپڑی نے اپنے مدرسہ میں نجد کے ایک عالم رکھے ہوئے تھے، تاکہ طلبہ کی عربی بول چال درست ہو سکے۔ ان کا نام شیخ عمر تھا۔ ایک مرتبہ وہاں ایک آدمی آیا جس نے ہمزاد کا عمل کیا ہوا تھا، لوگوں کو بتانے لگا، کہ آپ نے فلاں چیز کھائی ہے، آپ کے اتنے بہن بھائی ہیں، آپ کے فلاں رشتے دار کی فلاں وقت میں وفات ہوئی تھی، لوگ بڑے حیران ہوئے۔ شیخ عمر صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے اسے پکڑ لیا اور پوچھنے لگے: کیا تم آئندہ کی باتیں جانتے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے جوتا اتار لیا اور کہنے لگے: بتاؤ میں تمہیں ماروں گا یا نہیں؟۔ وہ پھنس گیا، اسے معلوم تھا کہ اگر میں نے کہا کہ آپ ماریں گے تو وہ نہیں ماریں گے اور اگر کہا کہ آپ نہیں ماریں گے، تو مارنے لگ جائیں گے۔ وہ لاجواب ہو کر بھاگ گیا۔

کیا بدعتی شخص کے لیے رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے؟

علامہ البانی رحمہ اللہ سے سوالات اور ان کے جوابات

علامہ محمد ناصر الدین البانی

ترجمہ وترتیب: محمد زکریا رفیق

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی کے بڑے علماء میں سے ایک تھے، حدیث کے میدان کے تو وہ شاہ سوار تھے ہی، محدثین کے دور کے بعد شائد اس میدان میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے فقہ اور عقیدے کے مسائل میں بھی آپ کو وسعت علم اور بصیرت عطا فرمائی تھی۔ منہج سلف پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی۔ مسائل میں منہج سلف کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ علامہ الالبانی رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیوز میں اس موضوع پر بہت تفصیلی کلام موجود ہے۔ ان آڈیو کیسٹس کو بعض طلبۃ العلم تحریری شکل میں لے آئے ہیں جو تقریباً سترہ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اور یہ تفریغ (Transcription) انٹرنیٹ پر آسانی کے ساتھ دستیاب ہے۔ اہل علم کی مجالس میں غیر اہل حدیث جماعتوں اور اشخاص کے ساتھ تعامل کے حوالے سے گفتگو ہوتی رہتی ہے اور علماء کرام میں دونوں موقف رکھنے والے لوگ موجود ہیں، بعض مصالح اور فوائد کی بنیاد پر اس کے حق میں ہیں اور بعض احباب قدیم فتاویٰ کی بنیاد پر سخت موقف کے حامل ہیں۔ پچھلے دنوں فضیلۃ الشیخ محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ سے ایک پروگرام میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب خصوصاً تفہیم القرآن کے مطالعہ کے حوالے سے سوال پوچھا گیا، شیخ محترم نے ان کی تحسین فرمائی، تو دوسرا گروہ لٹھ لے کر چڑھ دوڑا کہ یہ منہج سلف کے خلاف ہے کہ ایک بدعتی یا غیر سلفی منہج رکھنے والے عالم کی تعریف کی جائے یا اس کی کتب کے مطالعہ کی اجازت دی جائے۔

منہج سلف سخت مزاجی کا نام نہیں ہے بلکہ تحمل و برداشت اور خصوصاً اجتماعی اور ملی معاملات میں تمام مسلمان گروہوں کو ساتھ لے کر چلنا منہج سلف ہے۔ اسی حوالے سے علامہ البانی سے بعض مواقع پر طلبۃ العلم نے معاصر اہل علم۔ جن کا منہج غیر سلفی ہے یا جن پر بدعات کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ سے تعامل رکھنے، ان کی کتاب کا مطالعہ کرنے اور ان کے لیے دعا مغفرت کرنے کے متعلق سوالات پوچھے گئے تھے۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وسنت اور منہج سلف کی روشنی میں جو جوابات دیئے ہیں ان سے نہ صرف مسئلہ واضح ہو جاتا ہے، بلکہ منہج سلف کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ عزیز

سوال:

شیخ محترم! آپ اس شخص کے متعلق کیا کہیں گے جو غیر سلفی عقیدہ رکھنے والے علماء پر رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ نہیں بولتا جیسے نووی، ابن حجر، ابن حزم، ابن الجوزی وغیرہ اور معاصرین میں سے سید قطب اور حسن البنا ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ حسن البنا کی کتاب ''مذکرات الدعوۃ والداعیۃ'' اور سید قطب کی ''ظلال القرآن'' میں کیا کچھ ہے۔

شیخ البانی:

ہمارا عقیدہ ہے کہ رحمت کی دعا ہر مسلمان کے لیے جائز اور ہر کافر کے لیے حرام ہے۔ اگر کوئی انسان ان لوگوں کو مسلمان سمجھتا ہے تو ان کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کرنا جائز ہے۔ اگر وہ ان کو مسلمان نہیں سمجھتا تو پھر رحمت کی دعا جائز نہیں۔

سوال:

وہ لوگ کہتے ہیں کہ سلف کا منہج یہ تھا کہ وہ اہل بدعت پر رحمت کی دعا نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ہم بھی ایسے لوگوں پر رحمت کی دعا نہیں کرتے۔

شیخ البانی:

کیا ان لوگوں پر جنازہ نہیں پڑھا گیا جن کو لوگ اہل بدعت میں شمار کرتے ہیں۔ سلف کے عقائد میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ ہر نیک اور برے کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی، ہاں کافر کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا۔

سوال:

سلف سے منقول ہے کہ وہ اہل بدعت کے ساتھ نماز نہ پڑھتے تھے اور نہ ان کی مجلس نشینی اختیار کرتے تھے، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور نہ پانی پیتے تھے۔

شیخ البانی:

جب سلف کسی شخص کے گناہ یا بدعت کی وجہ سے اس سے قطع تعلقی کرتے تھے، تو کیا اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ اس کی تکفیر کرتے تھے۔ میرے بھائی! یہ محض ایک دعویٰ ہے کہ سلف عام بدعتیوں یا ہر بدعتی پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ لوگوں نے محض جذبات اور علم سے عاری جوش کی بنیاد پر یہ مسئلہ بنا لیا ہے۔ مسلمان جیسا بھی ہو، اس کی نماز جنازہ، وراثت، غسل، کفن اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کا معاملہ ہو گا۔ ہاں کافر کو گٹھلی اور چھلکے کی طرح پھینک دیا جائے گا اور اسے کافروں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

جب کوئی عالم کسی حکمت کی وجہ سے کسی پر جنازہ نہیں پڑھتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر نماز جنازہ جائز نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص پر نماز جنازہ نہ پڑھی لیکن صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اپنے ساتھی پر نماز جنازہ پڑھ لو۔ تو جس شخص پر کسی عالم کی طرف سے جنازہ نہ پڑھا گیا ہو، کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اس پر جنازہ جائز ہی نہیں۔ جب تک ہم کسی کو مسلمان قرار دیتے رہیں گے، اس کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرتے رہیں گے۔ لوگوں پر رحمت کی دعا کرنے کے دو سبب ہیں:

پہلا سبب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر وہ بدعتی ہیں تو کیا ان پر حجت قائم کی گئی ہے اور پھر بھی وہ اپنی بدعت اور ضلالت پر اصرار کر رہے ہیں۔

یہ جدید دور کی فحش غلطی ہے کہ کتاب و سنت کو لازم پکڑنے والے نوجوان جہالت کے سبب کتاب و سنت کی مخالفت کر رہے ہیں۔ نتیجتاً حق تو یہ ہے کہ انہیں بدعتی کا لقب دیا جائے کیونکہ وہ کتاب و سنت کی مخالفت کر رہے ہیں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ وہ مسلمان ہیں اور ان کا قصد بدعت اختیار کرنے کا نہیں۔ ہم فقط یہی کہیں گے کہ ان سے غلطی ہو رہی ہے اور وہ صواب کی کوشش کر رہے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ محدثین کا مذہب کتاب و سنت کے سب سے زیادہ قریب ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ محدثین بدعتیوں کی روایت کو قبول کرتے تھے جب وہ ثقہ، صادق اور حافظ ہوں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ کافروں کے زمرے میں نہیں۔

آج کوئی شخص نووی اور ابن حجر جیسا کوئی عالم سامنے لا کر دکھائے۔ اور سید قطب کی ہم عزت کرتے ہیں کیونکہ اس نے جہاد کیا۔ لیکن وہ ایک ادیب کے سوا کچھ نہ تھا، وہ عالم نہیں تھا، اس لیے اس سے کئی باتیں منہج صحیح کے خلاف صادر ہوئیں۔ البتہ نووی اور ابن حجر اور ان جیسے دیگر علماء کو اہل بدعت کہنا ظلم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اشعری تھے، لیکن انھوں نے کتاب و سنت کی مخالفت کا قصد نہیں کیا، البتہ ان سے غلطی واقع ہوئی۔

سلف کا یقینی منہج تھا کہ وہ محض معصیت یا بدعت کی وجہ سے کسی شخص کو دائرہ اسلام سے خارج نہ کرتے تھے۔ اور اگر کسی سے کوئی ایسی بات منقول ہے جو اس قاعدے کے مخالف ہے تو وہ قابل تاویل ہے، یعنی ہم اسے تعزیر اور تادیب کے باب سے شمار کریں گے، عقیدے کے باب سے شمار نہ کریں گے۔

بعض اوقات بدعتی سے قطع تعلقی فائدہ کے بجائے زیادہ نقصان کا باعث ہوتی ہے، وہ اپنی بدعت میں زیادہ

آگے نکل جاتا ہے۔ اگر ہم اس کے ساتھ تعلق قائم رکھ کر اس کی اصلاح کریں گے تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ آج اہل سنت کی قوت کا زمانہ نہیں ہے، اگر آج ہم قطع، ہجر اور لوگوں کو بدعتی قرار دینے کا رویہ اختیار کریں گے تو ہمیں پہاڑوں میں جا کر زندگی گزارنی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکمت کے ساتھ دعوت دینے کا حکم دیا ہے[1]۔

سید قطب کا حکم

سوال:

تفسیر "ظلال القرآن" میں سید قطب کہتے ہیں کہ قرآن اسی طرح کا ایک تکوینی مظہر ہے جیسے زمین و آسمان ایک مظہر ہے۔ یہ سورۃ طٰہٰ کے شروع میں مذکور ہے۔ شیخ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

شیخ البانی:

میرے بھائی! ہم یہ بات کئی دفعہ کر چکے ہیں کہ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ عالم نہیں تھا۔ وہ محض ایک ادیب اور قلم کار تھا۔ وہ اسلامی شرعی عقائد کی اچھی تعبیر نہیں کر سکتا تھا، خاص طور پر سلفی عقائد کی۔ اس لیے ہمیں ان معاملات کو زیادہ اچھالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ عالم نہیں تھا یعنی کتاب و سنت اور منہج سلف کو زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اس کی اکثر تحریریں انشائی بلاغی ہیں نہ کہ علمی، بلکہ سلفی تعبیریں تو بالکل نہیں ہیں۔

جب سید قطب کہتا ہے کہ قرآن ایک کونی مظہر ہے تو گویا وہ قرآن کو اللہ کی حقیقی کلام قرار نہیں دیتا یا اسے اللہ کا مجازی کلام سمجھتا ہے۔ یہ شرعی لحاظ سے غیر سائغ کلام ہے۔ لیکن یہ کاتب کی قرآن کے متعلق عقیدے کی تعبیر نہیں۔ یعنی کاتب نے جو بات کی ہے، وہ بطور عقیدہ کے نہیں کی بلکہ وہ اپنے بیان میں خطیبانہ یا شاعرانہ اسلوب اختیار کر رہا ہوتا ہے[2]۔

سوال:

کیا سید قطب کی سنت مخالف آرا کا رد کیا جائے گا؟

شیخ البانی:

ہاں ضرور رد کیا جائے گا لیکن نرمی کے ساتھ نہ کہ غیر ضروری جذباتیت کے ساتھ۔ رد تو ہر خطاکار شخص کا

---

۱ استفادہ و تلخیص از جامع تراث العلامۃ الالبانی فی المنہج: ۶/ ۱۵۴ تا ۱۶۹

۲ استفادہ از جامع تراث العلامۃ الالبانی فی المنہج: ۳/ ۳۵۸

واجب ہے۔ جو بھی اسلام کی توجیہات میں بدعتی مفاہیم شامل کرے اس کا رد واجب ہے، لیکن رد کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس سے دشمنی اختیار کریں اور ہم اس کی حسنات بھول جائیں۔ یہ بات کافی ہے کہ وہ مسلمان انسان تھا، اسلامی لکھاری تھا اور وہ اسلام کی دعوت کی راہ میں قتل کیا گیا، قتل کرنے والے اسلام کے دشمن تھے۔ وہ اسلام سے تھوڑا منحرف تھا یا زیادہ، اس بارے میں میرا اعتقاد یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق نہایت غیرت مند تھا، وہ اسلام کی اقامت اور دولۃ اسلامیہ کی اقامت کا خواہش مند تھا۔

سب سے پہلے میں نے ہی یہ بات کی تھی کہ وہ اپنی تفسیر میں بعض جگہوں پر وحدت الوجود کا قائل نظر آتا ہے۔ اور جب میں نے یہ بات کہی تھی اس وقت بھی میں اُسے مسلمان ہی سمجھتا تھا۔ میں اس کی تکفیر کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

سوال:

کیا لوگوں کو سید قطب کی کتابوں سے اجتناب کی تلقین کی جائے؟۔

علامہ البانی:

ضرور، جو کتابیں صحیح اسلامی علم وادب پر مشتمل نہیں ہیں، ان سے ضرور روکا جائے۔[1]

سوال:

بعض نوجوان ان لوگوں کو بدعتی قرار دیتے ہیں جو سیاسی عمل میں مشغولیت اختیار کرتے ہیں۔ کیا کسی ایسے داعی کو بدعتی کہنا جائز ہے جو سیاسی عمل میں مصروف ہو؟۔ مزید لوگوں کو بدعتی قرار دینے کا شرعی ضابطہ کیا ہے؟۔ بارک اللہ فیک

شیخ البانی:

سیاسی عمل میں حصہ لینا مطلق طور پر بدعت نہیں اور نہ ایسا کرنے والے کو بدعتی قرار دیا جائے گا۔ جو وقت سے پہلے سیاسی عمل میں مشغولیت اختیار کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنے اجتہاد کے سبب دعوت الی اللہ کے اصول و قواعد کی مخالفت کی ہے۔

دین میں بدعت یہ ہے کہ کوئی مسلمان ایسی عبادت کے ذریعے اللہ کا تقرب تلاش کرے جس کی کوئی

---

۱ استفادہ از حوالہ مذکور: ۳۵۸ تا ۳۶۲

اصل نہ ہو۔ بدعتی صرف اس لیے بدعت اختیار کرتا ہے، کیونکہ وہ اس کے ذریعے اپنے گمان کے مطابق اللہ کے تقرب میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ بدعتی کی حقیقت ہے۔

جو لوگ آج کل سیاست میں حصہ لیتے ہیں، انھیں بدعتی اس لیے نہیں کہا جائے گا کیونکہ اسلام میں سیاست مطلق طور پر ممنوع نہیں بلکہ یہ تو مامور بہ ہے۔ اور اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا رسالہ السیاسۃ الشرعیۃ کا مطالعہ کافی ہے۔

اصل قضیہ اسلوبِ دعوت کا ہے، ہمارے اعتقاد کے مطابق موجودہ زمانے میں کوئی ایسا اسلامی مقام نہیں جو اپنے فہم میں صحیح سلفی عقیدے اور اولین اسلامی معاشرے کے مشابہ ہو۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اسلامی دعاۃ کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کے مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کریں۔ سیاسی عمل میں شرکت اپنے صحیح وقت سے پہلے درست نہیں۔

سیاست میں جو چیز سب سے پہلے ضروری ہے، وہ ایک مسلم خلیفہ کا وجود ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس کی گردن میں بیعت نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اس خلیفے کو وجود میں لانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسلامی معاشرہ وجود میں نہ آجائے۔ اور اسلامی معاشرہ اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتا جب تک ایک سچی پکی مسلمان جماعت وجود میں نہ آجائے۔ تو یہ ایک زنجیر کی مسلسل کڑیاں ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ جو شخص شروع کی کڑیاں چھوڑ کر آخری کڑی تک پہنچنا چاہتا ہے، یعنی خلیفہ وجود میں لانا چاہتا ہے، وہ ایسے ہے جیسے کوئی مینار بنانا چاہتا ہو، لیکن نہ وہ کوئی مضبوط بنیاد تشکیل دیتا ہے اور نہ ہی کوئی مضبوط اساسی تیاری کرتا ہے۔ ایسے کیسے بلند و بالا مینار تعمیر ہو گا۔[1]

سوال:

کیا بہت ساری جماعتوں کا وجود ہی اسلام کی شان و شوکت واپس لانے کا واحد راستہ ہے۔ جماعتوں سے مراد جیسے تبلیغی جماعت، اخوان المسلمون وغیرہ ہیں۔

شیخ البانی:

بہت ساری جماعتیں جیسے اخوان صرف سروں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتی ہیں، ان کا مقصد عقیدہ کی

---

1 استفادہ از جامع تراث العلامۃ الالبانی فی المنہج: ۳/ ۱۴

اصلاح نہیں۔ اخوان خوب سمجھتے ہیں کہ سلفی دعوت ہی بلا شک وشبہ برحق دعوت ہے لیکن ان کے خیال میں اس طریقے پر چلنا ایک طویل مشق ہے جبکہ وہ شارٹ کٹ تلاش کرنا چاہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور اس کے ارد گرد مزید خط کھینچے، پھر فرمایا کہ یہ درمیان والا خط مستقیم ہے اور یہ چھوٹے خط گمراہی کے راستے ہیں جو تمھیں اصل راستے سے بھٹکا دیں گے۔ تو خط مستقیم لمبا ہوتا ہے لیکن وہی اللہ کا راستہ ہے اور جنت تک پہنچانے والا واحد راستہ۔ باقی ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہے جو لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے رہا ہے۔

تو جو جماعتیں سلف صالحین کا طریقہ نہیں اپناتیں، یعنی تصفیہ وتربیہ کو بنیاد نہیں بناتیں، وہ خط مستقیم سے نکل جاتی ہیں۔[1]

سوال:

لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ تمام اسلامی جماعتوں کے ساتھ تعاون سے انکار کرتے ہیں، آپ چاہتے ہیں کہ جب تک کلامی اور فقہی مسائل میں مکمل اتفاق رائے طے نہ پا جائے کوئی تعلق ممکن نہیں۔

شیخ البانی:

میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ یہ کلام جھوٹ اور بہتان ہے۔ میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ اسلامی جماعتوں کا قیام درست ہے، ہر جماعت کسی نہ کسی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی میدان میں تخصص رکھتی ہے اور یہ تخصص درست ہے۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہ شرط لگائی کہ کوئی نہ کوئی دائرہ ہو جو ان تمام جماعتوں کو اکٹھا کرے، اور وہ دائرہ سلف صالحین کا طریقہ کار ہے۔ یہی ان کا بنیادی منہج ہونا چاہیے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے کہا تھا ہم سلفی لوگ ہیں، ہم سب سے اہم راستے پر محنت کریں گے، ہماری محنت ایک خاص مسئلہ پر ہے۔ اور یہ وہ مسئلہ ہے جو قرآن لے کر آیا اور جس کے لیے تمام رسول مبعوث کیے گئے۔ یہ توحید کا مسئلہ ہے۔ ہم لوگوں کے سامنے مسئلہ توحید کو واضح کرتے رہیں گے حتی کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہر قسم کے شرک سے اور ہر قسم کے بتوں کی پرستش سے پاک ہو جائے۔

میں نے دعوت دی تھی کہ تمام اسلامی جماعتیں اپنے تمام جھگڑوں اور اختلافات کو قرآن اور سنت کی

---

۱ جامع تراث الالبانی فی المنہج: ۲/ ۴۲۵ تا ۴۲۶

روشنی میں حل کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ﴾ [النساء: ٥٩]

"اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ۔"

ہم یہ نہیں چاہتے کہ تمام جماعتیں ہماری آرا اور ہمارے اجتہادات کی پابندی کریں، اجتہادی مسائل میں ایک سے زیادہ آرا ممکن ہیں۔ لیکن ہم توحید کی طرف بلاتے ہیں جس میں کوئی دو مسلمان آپس میں اختلاف نہیں کر سکتے، تو جماعتیں کیسے اختلاف کر سکتی ہیں۔

ہم تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے صحیح دین کی طرف لوٹ آئیں اور وہ کتاب و سنت پر کلی اعتماد ہے۔ میں اپنی اس دعوت پر ڈٹا رہوں گا، چاہے مجھ پر کتنے ہی الزامات اور بہتان لگائے جائیں۔

بہت عرصہ پہلے میں شام میں رہتا تھا، میرے درس میں اخوان، حزب التحریر اور جماعت تبلیغ کے ارکان شریک ہوتے تھے، ان میں کئی ایسے ہیں جو میری شاگردی کی تصریح کرتے ہیں اور کئی میرے فضل کا اقرار کرتے ہیں، اس خوب صورت تعلق کے باوجود یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہم اسلامی جماعتوں کے دشمن ہیں۔

ہم جس چیز کی مخالفت کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کتاب و سنت سے خروج اختیار نہ کیا جائے اور جماعتیں اپنے ارکان کی صحیح تربیت کریں۔ جن مسائل میں قدیم دور سے اختلاف چلا آ رہا ہے، ان میں ہم اختلاف نہیں کرتے اور نہ کوئی تنقید کرتے ہیں، وہ سائغ اختلافی مسائل میں آزاد ہیں۔[1]

میری زندگی کتاب و سنت کے علم میں گزری ہے اور اس پر آدھی صدی گزر چکی ہے۔ میں طویل دور سے اسلامی جماعتوں کے ساتھ رہا ہوں۔ میں بہت سارے اخوانی لوگوں کو جانتا ہوں جو عقیدہ اور فکر میں خالص سلفی منہج کے حامل ہیں لیکن شدید افسوس ہے کہ وہ اسے اپنی جماعت میں عملی طور پر منطبق نہیں کرتے اور نہ اس کی اعلانیہ دعوت دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی جماعت اپنے اجتماعی منہج میں انحراف کی حامل بن چکی ہے۔ ان کی ساری محنت اس بات پر ہے کہ لوگوں کی تعداد کو زیادہ سے زیادہ جمع کیا جائے، پھر انہیں اپنی مخصوص تنظیمی ثقافت سے آگاہ کیا جائے۔ نصف صدی تک ان کا یہی طریقہ کار رائج رہا اور ان کی یہی آواز ہر طرف گونجتی رہی۔ اخوان میں جو لوگ سلفی ہیں، وہ اپنی ذات کی حد تک سلفی ہیں، وہ جماعتی سطح پر لوگوں کو اس

---

۱ استفادہ از جامع تراث الالبانی فی المنہج: ۲/ ۴۸۰ تا ۴۸۱

کی دعوت نہیں دیتے۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اسلامی ریاست قائم ہونی چاہیے لیکن ضروری ہے کہ اس کے وسائل و اسباب بھی شرعی ہوں۔ ہمارے نزدیک پہلے قلوب واذہان میں علم، عقیدہ، عمل اور اخلاق کی اصلاح قائم ہوگی تو پھر زمین پر ریاست بھی قائم ہوگی۔[1]

سوال:

کیا موجودہ اسلامی جماعتیں ایک دوسری کی تکمیل کرتی ہیں، کیا ان کا وجود خیر ہے اور ان کا مابین تعاون ہونا چاہیے اور کیا ان کا باہمی اختلاف ویسا ہی ہے جیسا مذاہب اربعہ کے مابین ہے۔

شیخ البانی:

اسلامی جماعتیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں، لیکن یہ اس وقت ہے جب ان کا منہج ایک ہو، عقیدہ ایک ہو اور مرجع کتاب وسنت ہو۔ ہاں اگر ان میں شرک کی خرابیاں ہوں تو پھر وہ ایک دوسرے کی تکمیل نہیں کرتیں۔ اگر ہمارے مسلمان بھائی کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی نہ سمجھیں اور توحید کو صرف ربوبیت میں محصور قرار دیں اور انھیں الوہیت اور اسماء وصفات کا کچھ پتہ نہ ہو تو ہم اپنے بھائیوں کو اندھی گمراہی میں چھوڑ کر سوشلسٹوں، کمیونسٹوں اور دہریوں کے خلاف جنگ میں کود جائیں۔ ملحدوں سے جنگ کرنا درست ہے لیکن ہم کن لوگوں کے بل بوتے پر یہ جنگ لڑیں، کیا ان لوگوں کو ساتھ لے کر جنگ لڑیں جو حقیقت میں مشرک ہیں اور نام کے مسلمان ہیں اور ابھی تک ایمان کی حقیقت ان کے دل میں داخل نہیں ہوئی۔ یہ جنگ کیسے جیتی جاسکے گی!!

جب ہم کہتے ہیں کہ اسلامی جماعتیں ایک دوسری کی تکمیل کرتی ہیں تو یہ بات درست ہے لیکن ہم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کا منہج، ان کی دعوت، ان کا عقیدہ اور ان کا مرجع ایک ہو۔ جب اسلامی جماعتوں کو صحیح اور ضعیف حدیث کا علم ہی نہ ہوگا تو انہیں سنت اور بدعت کا علم کیسے ہوگا۔ ایسی صورت حال میں دولت اسلام کیسے قائم ہوگی، کیا دولت اسلام علم پر قائم ہوگی یا جہالت پر۔ یہ عجیب تناقض ہے، کبھی دگرگوں حالات دیکھ کر ہم

---

۱ تلخیص از جامع تراث الالبانی فی المنہج۔ ۲/ ۴۳۴ تا ۴۳۶

یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ شاید اسلامی پارٹیاں اسلام کی دعوت میں مخلص ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اسلام کے فہم کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتیں۔ اللہ نے تو ہمارے لیے اسلام کے فہم کو آسان کیا ہے، لیکن وہ سمجھنے سے انکار کرتی ہیں۔

دمشق میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میرے بعض دوستوں نے میرا نام اخوان کے سامنے پیش کیا کہ اس شخص کو اخوان میں شامل کر لیا جائے۔ انہوں نے انکار کر دیا، کہنے لگے کہ یہ شخص وہابی ہے اور یہ قرآن وسنت کی دعوت دینے لگ جائے گا۔

میں اخوان کے بعض ایسے رہنمائوں کو بھی جانتا ہوں جو بذات خود سلفی عقیدے کے ہیں، لیکن جب کسی صوفی شیخ سے ملتے ہیں تو اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہیں، یہ ان کی سیاست ہے جو انہیں یہ سب کچھ سکھاتی ہے۔ ہم اس قسم کی عاجزی کو روا نہیں سمجھتے۔ ابن عبد البر نے کتنی پیاری بات کی ہے کہ کسی کے ہاتھ چومنا ایک قسم کا چھوٹا سجدہ ہے۔

آپ کو اخوان کے اندر باقاعدہ مضبوط شرعی عالم نہیں ملیں گے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر جماعت میں علوم شرعیہ کا ماہر عالم ہو گا تو وہ حق کی دعوت دے گا اور حق کی دعوت ان کو نقصان دے گی۔ حق کی دعوت ان کی مصلحت اندیش سیاسی صف کو توڑے گی اور وہ چاہتے ہیں کہ افراد سیاست کے نام پر زیادہ سے زیادہ اکٹھے ہوں۔

ہماری دعوت اور اخوانی دعوت میں فرق یہ ہے کہ ہم پہلے تعلیم دیتے ہیں اور پھر اپنے ساتھ جوڑتے ہیں جبکہ اخوانی پہلے اپنے ساتھ جوڑتے ہیں پھر اپنی مخصوص تعلیم دیتے ہیں (جو ہمہ گیر اور جامع نہیں ہوتی)۔

یہ لوگ عقیدہ توحید، سنت، عبادت اور اخلاق پر تو محنت کرتے نہیں، البتہ سیاست پر خوب محنت کرتے ہیں۔ صحیح لفظ بولیں تو یہ صرف اقتدار چاہتے ہیں۔ یہ کرسی پر بیٹھ کر کیسے حکومت کریں گے۔ کیا یہ اسلام کے ساتھ حکومت کریں گے جس کی مکمل حقیقت کو یہ خود نہیں سمجھتے۔[1]

---

1 تلخیص از جامع تراث الالبانی فی المنہج: ۲/ ۴۶۱ تا ۴۶۵

عید میلاد النبی ﷺ ....محل نزاع کیا ہے؟

ڈاکٹر عبید الرحمٰن محسن

نبی مکرم، رسول معظم ﷺ سے محبت وعقیدت، صرف جزو ایمان ہی نہیں، کفر وایمان میں حد فاصل اور وجہ امتیاز ہے۔ یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ کوئی صاحب ایمان اس ذات بابرکات فداہ ابی و أمی سے محبت نہ رکھتا ہو!!

محبت وعقیدت کے نام پر عید میلاد کے موقع پر جو جاہلانہ رسوم ورواج اور غیر شرعی افعال وحرکات گلی گلی نظر آرہے ہیں کوئی بھی صاحب علم ان کو سند جواز نہیں دے سکتا۔ اس لیے اصل وجہ نزاع یہ نہیں ہے۔

نبی رحمت ﷺ کے محض اسم گرامی کے تذکرے اور آپ پر درود شریف سے رب کریم کیا کیا انوار وبرکات سے نوازتا ہے، کیا کیا غم کافور ہوتے ہیں اور کیسے گناہوں کی بن مانگے معافی ملتی ہے، اس میں بھی کوئی دورائے نہیں ہو سکتیں۔

اس لیے عید میلاد کے اثبات میں سیرت کے عمومی فضائل و مناقب سے استدلال کرنا بھی در حقیقت اصل وجہ نزاع کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اصل وجہ نزاع اور محل اختلاف کیا ہے؟

اس کی تنقیح نہ ہونے کی وجہ سے، بہت سارے احباب خلط مبحث کا شکار نظر آتے ہیں۔

ہمارے علم کے مطابق اصل وجہ اختلاف، اور محل نزاع point of dispute ، رسول معظم ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخ کو عید قرار دینا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی تاریخ پیدائش کو اصل قرار دے کر، اس تاریخ کی مناسبت سے ایک دن مقرر کر لینا، اسے عید قرار دینا اور اسے مخصوص انداز میں منانے کی ترغیب دینا یہ اصل وجہ نزاع ہے۔

یہ وجہ نزاع کیوں ہے؟ اس کی وضاحت آپ کے سامنے پیش کیے دیتے ہیں:

مجوزین وقائلین کے نزدیک یہ آمد مصطفیٰ ﷺ پر خوشی کا ایک طریقہ ہے، جس طرح ہم اپنے بچوں کی پیدائش پر اظہار مسرت کسی بھی طریقے سے کر لیتے ہیں، یا تکمیل قرآن مجید پر کسی خاص دن میں تقریب کر لیتے ہیں یا تکمیل صحیح بخاری شریف کی تقریب کے لیے تاریخ مقرر کر لیتے ہیں اور اپنی آسانی کے لیے کسی بھی

طریقے سے خوشی منا لیتے ہیں، ان سب میں بالاتفاق کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا، انہیں عرف اور مصلحت مرسلہ کے قبیل سے ہی جانا پہچانا جاتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ باسعادت کی مناسبت سے کوئی تاریخ مقرر کر کے خوشی منانے میں کوئی حرج نہیں، یہ تذکار حبیب ﷺ کا ایک اسلوب ہے اور بس۔

ہمارے علم کے مطابق حقیقت ایسے نہیں ہے۔ ایک ایسے دن کو جس کی شرع میں کوئی متعین فضیلت وارد نہیں ہے، اسے باقی دنوں سے خاص مذہبی امتیاز دینا، پھر اس دن کو خاص افعال کے لیے نامزد کرنا،، کسی مذہبی اجتماع کے لیے بطور عید مقرر کرنا، احداث فی الدین ہے، اور اسلام میں ایک تیسری عید کا اضافہ ہے۔ اور یہ اضافہ اسی درجے میں بدعت ہے جس درجے میں ایک نئی نماز کا اضافہ بدعت ہے۔ اور اس کے لیے مخصوص طرز پر اجتماع، اس دن کی مخصوص فضیلت کے تصور کے ساتھ، بالکل جمعے کی اجتماع کی طرح، ایک نئے جمعے کے اضافے کی طرح ہے۔

اس طرح کے دن پر تقریبات، سالانہ پروگرام، یا شادی وغیرہ کے لئے دن مقرر کرنے کو قیاس کرنا، بالکل ہی سطحی اور غیر منطقی قیاس ہے۔

ان دونوں میں فرق ہر صاحب شعور کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ عید میلاد میں بارہ تاریخ مقصود لذاتہ ہے۔ اس میں شرف وبرکت کی تعیین باقاعدہ عقیدے کا حصہ ہے۔ جب کہ کسی تقریب کے لیے تاریخ یا دن کا تعین نہ فی نفسہ مقصود ہوتا ہے اور نہ ہی اس تاریخ یا دن میں کسی خاص فضیلت کا عقیدہ ہوتا ہے۔ محض انتظامی سہولت مد نظر ہوتی ہے، کوئی بھی منتظم اس خاص تاریخ کو کسی مخصوص فضیلت کے پیش نظر مقرر نہیں کرتا۔ علی سبیل المثال اسبوعی درس قرآن کے لیے ہر اتوار درس کے لیے اگر طے کیا جائے تو عام تعطیل کی سہولت مد نظر ہوتی ہے نہ کہ اتوار کی کوئی خاص فضیلت۔

اسی نوعیت کے فروق کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کی وجہ سے ہی اکثر اشکالات نے جنم لیا ہے۔ مثلاً اگر ہر نئی چیز بدعت ہے تو قرآن مجید پر اعراب کیوں لگائے گئے،، اسے باقاعدہ کتابی شکل میں مدون ومرتب کیوں کیا گیا؟ یہ سب کام بھی تو عہد نبوی میں نہیں تھے۔

افسوس! کہ اتنی سادہ سی بات میں لوگ فرق کیوں نہیں کر پاتے۔ کہ یہ سب کچھ عہد نبوی میں ہونے والے کاموں ہی کی تسہیل اور خدمت ہے۔ دین میں اضافہ نہیں ہے۔ کیا نبی کریم ﷺ بغیر اعراب کے پڑھتے تھے؟

کیا خود نبی مکرم ﷺ نے قرآن مجید کی ترتیب اور کتابت کا اہتمام نہیں کیا ہوا تھا؟

ہر ذی عقل یہ تسلیم کرے گا، کہ نبی کریم ﷺ اعراب کے ساتھ ہی تلاوت فرماتے تھے، آپ ﷺ ہی کی زبان اقدس سے جاری ہونے والے اعراب کو متاخرین نے کتابی شکل میں محفوظ کیا ہے، اس اعراب میں معمولی سی بھی کمی بیشی نہیں کی۔ یہ سب امور کسی بھی طرح دین میں نئی عبادت کا اضافہ نہیں ہے، جب کہ بدعت کے ذریعے دین میں خود ساختہ اضافہ ہوتا ہے۔

ایک اور مثال سے اس فرق کو سمجھ لیجیے عیدین کے لیے عید گاہ میں جانا اور عید گاہ میں دو رکعت نماز عید پڑھنا سنت ہے۔ لیکن عید گاہ کی رجسٹری، کاغذات میں باقاعدہ اس کا ذکر کرنا، حفاظت کے لیے اس کی چار دیواری تعمیر کرنا، آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ سپیکر استعمال کرنا، نمازیوں کی سہولت کے لیے ایک وقت کا اعلان کرنا، انتظامات کی بہتری کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دینا، یہ سب کچھ انتظامی آسانی کے لیے ہے، اسے کوئی احمق ہی بدعت سمجھے گا، لیکن اگر کوئی شخص ہماری چار دیواری، رجسٹریشن کے عمل، کمیٹی کی تشکیل، صفیں بچھانے اور سپیکر لگانے کو بنیاد بنا کر یہ کہے کہ جس طرح تمہیں ان انتظامات کا حق ہے جب کہ عید گاہ کے اس طرز پر انتظامات عہد نبوی سے ثابت نہیں ہیں، اسی طرح مجھے عید کی دو رکعت کی بجائے چار رکعت پڑھنے کا بھی حق حاصل ہے۔ جس طرح نماز عید میں دو رکعت اضافے کو نماز عید کے انتظامات پر قیاس کرنا قابل قبول نہیں ہے، اسی طرح ایک تیسری عید کے اضافے کو خدمت دین کے بعض جدید انتظامات وتسہیلات اور ارتقائی پہلوؤں پر قیاس کرنا، ناقابل قبول ہے۔

مزید برآں خوشی منانے کا ایسا طریقہ جس میں ایک تاریخ کو سالانہ بنیادوں پر ایک تہوار کے طور پر مقرر کر لیا جائے اور ہر صورت میں اسی تاریخ کو مخصوص رسومات بجالائی جائیں، شریعت سازی ہے۔ اور ایسے اختیار کو جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے۔

تاریخ پیدائش کو بنیاد بنانا،

اس تاریخ میں خصوصیت کے پیش نظر اسے مستقل طے کر لینا،

ہر سال اس تاریخ کو لازماً مخصوص رسومات بجالانا شرعاً عید کہلاتا ہے۔ اور عید کی تاریخ مقرر کرنے کی اتھارٹی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس ہے۔

یہی وجہ ہے، کہ محترم مہینے، ان کی مخصوص تاریخیں اور ان تاریخوں پر مخصوص عبادات اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے ساتھ ہی یہ سب کچھ طے کر دیا تھا۔ جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت ۳۶ میں ہے کہ سال کے کل

مہینوں اور اشہر حرم کی تعیین رب العالمین نے خود کر رکھی ہے۔

روزے کے مہینے کی تعیین، ہفتہ وار مذہبی اجتماع کے لیے یوم جمعہ کی تعیین، سالانہ تہوار کے لیے دو عیدوں کی تعیین شارع نے خود یہ سب معاملات طے کیے ہیں۔

بلکہ ان کی تقدیم و تاخیر کو بعض صورتوں میں عین کفر قرار دیا ہوا ہے۔ محولہ بالا سورہ توبہ کی آیت نمبر ۳۷ میں النسیئ کو صریحا کفر کہا گیا ہے۔

مدینہ منورہ کے دو کلچرل فیسٹیولز کو رسول اللہ ﷺ نے ختم کر کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحی جیسے دو عظیم تہواروں سے روشناس کرایا۔

دیگر اقوام کے تہواروں سے مشابہت کو ہمارے دین میں انتہائی ناپسندیدہ اور معیوب عمل کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ حتی کہ کسی جاہلانہ تہوار کے موقع پر خاص اسلامی عبادت کی بھی رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔ جیسا کہ سنن ابو داؤد میں ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بوانہ مقام پر ایک جانور ذبح کروں گا، تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اس کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا وہاں پر دور جاہلیت کا کوئی بت ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا اس مقام پر دور جاہلیت کا کوئی میلہ لگتا ہے؟ لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے اسے جانور ذبح کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔[1]

کسی بڑی ہستی کی تاریخ پیدائش کو قومی تہوار قرار دینا اصلا فراعنہ کا کلچر ہے۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کے نزدیک تاریخ میں سب سے پہلے تقریبا پانچ ہزار سال قبل مسیح فراعنہ نے اپنے یوم پیدائش کو جشن کے طور پر منوایا، اس سے دیگر اقوام نے یہ رسم لی ہے۔ اس لحاظ سے اس رسم کی بنیاد اسلامی روایات پر نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کے حسین مرقع میں ایک پیوند کاری پر مبنی ہے۔

اس حوالے سے سب سے اہم حقیقت یہ ہے کہ سوا لاکھ کے قریب انبیاء کرام علیہم السلام میں کسی کے ہاں بھی ہمیں جشن میلاد کی روایت نہیں ملتی۔ عیسائیوں نے غالبا دور زوال میں فراعنہ مصر سے متاثر ہو کر کرسمس کا تہوار شروع کیا۔

---

۱ سنن ابی داود: ۳۳۱۳

عموماً ہمارے ہاں نبی کریم ﷺ کی پیدائش پر خوشی کے عنوان سے یہ عید منائی جاتی ہے۔ ہمارے علم کے مطابق یہ تصور بھی دین کی گہرائی سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی جس مشن کے لیے وقف کر رکھی تھی، خود رسول اقدس ﷺ کو بھی اس مشن کی تکمیل ہی عزیز ترین تھی اور اس کی کامیابی ہی آپ کے لیے حقیقی خوشی کا عنوان تھا۔

ہمارے فہم کے مطابق میلاد رسول، بعثت رسول، ہجرت رسول، فتوحات رسول، سب ہی خوشی کے مواقع ہیں، ہمارے دین میں ہر ہر موقع پر جشن کی بجائے مجموعی طور پر مقاصد دین اور اہداف بعثت کو سامنے رکھتے ہوئے دو عیدیں مقرر کی گئی ہیں۔ ان دو عیدوں میں مسلمانوں کی اجتماعی خوشی کے تہوار منحصر ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں عیدیں بعثت رسول کے مقصد اور مشن رسول کی تکمیل سے جڑی ہوئی ہیں۔ تکمیل قرآن مجید کی خوشی میں عید الفطر مقرر کی گئی ہے اور یوم عرفہ میں آیت تکمیل دین کی مناسبت سے خود یوم عرفہ، حج اور عید الاضحی مقرر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں ہمیں میلاد رسول ﷺ کی نسبت سے عید، تہوار اور جشن کا دور دور تک نام ونشان نظر نہیں آتا۔ حالانکہ عہد نبوی سے قبل ہی فرعونی تہذیب میں یوم پیدائش کی تقریب معروف تھی۔

اس سے بھی بڑی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد پر خوشی کا تعلق دلی کیفیت کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا عملی اظہار سنت کے مطابق اور خیر القرون کے عمل کے موافق ہونا ضروری ہے۔ سنت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آمد رسول ﷺ کی حقیقی خوشی اتباع سنت، میں ہی مضمر ہے۔

رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا

کی عظیم دعا روزانہ تین دفعہ صبح وشام پڑھنا آپ کی آمد پر خوشی کا کیا مسنون طریقہ کافی نہیں؟

سوموار کا روزہ رکھنا خوشی منانے کا ایک ایسا طرز عمل ہے جس میں میلاد رسول ﷺ، نزول قرآن مجید اور بعثت نبوی کی تمام خوشیاں یکجا ہو جاتی ہیں، ساتھ ہی رب کریم کے سامنے روزے کی حالت میں اعمال کی پیشی بھی ہو جاتی ہے۔ ان احادیث میں غور کیجیے:

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الِاثْنَيْنِ؟ فَقَالَ: «فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ»[1]

---

1 صحیح مسلم: ۱۱۶۲

"حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے (آپ کے) سوموار کے دن روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن پر مجھ قرآن کا نزول شروع ہوا۔"

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «تُعْرَضُ الأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالخَمِيسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ»[1]

"ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندوں کے اعمال سوموار اور جمعرات کو اللہ کے ہاں پیش کیے جاتے ہیں، مجھے پسند یہ ہے کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔"

یاد رکھیے سنت رسول اللہ ﷺ اور خیر القرون کے عمل سے تجاوز کرتے ہوئے، دیگر اقوام کی دیکھا دیکھی یوم پیدائش کو ہی بطور عید منانا، اور اسے ہی واحد اظہار مسرت کا ذریعہ سمجھنا، یہ عمل متعدد وجوہات کی بنا پر ناقابل قبول ہے۔

① یہ مسنون طریقے کے خلاف ہے۔

② اس میں غیر اقوام کی مشابہت ہے۔

③ اس میں ایک عید کا اضافہ ہے جو کہ بدعت ہے۔

④ یہ روح دین کے منافی ہے۔

⑤ آئے روز اس میں ایسی خرافات کا اضافہ ہو رہا ہے جس کو روکنا خود قائلین کے بس میں نہیں رہا۔

⑥ اس تصور عید سے کرسمس ڈے کی قربت بھی بڑھ رہی ہے۔

ان نتائج کے ہوتے ہوئے اس میں مصلحت راجحہ کے فقہی اصول کی بجائے سد ذریعہ کا فقہی اصول منطبق ہوتا ہے۔

جو سمجھ آیا علم وادب کے دائرے میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ دل آزاری قطعاً مقصود نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں محبت رسول ﷺ اور اتباع سنت کی دولت سے مالامال فرمائے آمین۔

---

1 سنن ترمذی: ۷۴۷

سوانح حیات مولانا احسان اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ زبیر اصغر[1]

مولانا احسان اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ ۸ راگست ۱۹۷۵ء کو بستی گٹ تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی "اللہ داد گٹ" کھیتی باڑی کے پیشے سے منسلک تھے۔ آپ پانچ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

ابتدائی تعلیم وگھریلو ذمہ داری:

شیخ محترم نے ۱۹۸۱ء میں تعلیم کی ابتداء اپنے آبائی علاقے بستی بلوانی تونسہ شریف سے کی اور گورنمنٹ ہائی سکول کوہر سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ فارغ اوقات میں آپ اپنے والد گرامی کے ساتھ کھیتی باڑی کے کام میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ والد گرامی کا انتقال ہو گیا، گھر کے حالات کمزور پڑے تو والدہ نے مرغیاں اور بکریاں پال لیں، انڈے بیچ کر بچوں کے اخراجات پورے کرتیں۔

جامعہ رحمانیہ لاہور میں آمد:

آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۹۱ء میں قاری امیر غفاری صاحب (ان کے رشتہ دار) کے ترغیب دلانے پر دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ رحمانیہ لاہور میں داخلہ لیا ان کی تعلیم سے محبت اور اخلاق وکردار کے حوالے سے ان کے کلاس فیلو محترم ڈاکٹر محمد اسلم صدیق صاحب کی زبانی سنیے:

"جامعہ رحمانیہ میں ۱۹۹۲ میں ثانیہ ثانوی میں داخلہ ہوا، کافی بڑی کلاس تھی۔ محترم احسان اللہ فاروقی صاحب سے پہلی شناسائی ہوئی، نام بہت خوبصورت ہے، شرافت چہرے مہرے سے عیاں تھی، گفتگو میں نرمی اور رویہ بہت شگفتہ اور پیار پھرا تھا۔ لہٰذا ان سے ایک طرح کی انسیت پیدا ہوئی اور پھر یہ تعلق مخلصانہ دوستی میں بدلا۔ کلاس میں عموماً اکٹھے بیٹھتے اور عشاء کے بعد کا مطالعہ بھی اکثر اکٹھے ہوتا۔ دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ اور شوق فراواں تھا۔ جامعہ میں عصری تعلیم کا اہتمام تھا، لیکن کہتے کہ

---

[1] متعلم مدینہ یونیورسٹی

میں یہاں سکول نہیں دین پڑھنے آیا ہوں، صرف دین پڑھنا اور پڑھانا چاہتا ہوں، بہت محنتی اور مثالی طالب علم تھے۔ خصوصاً امتحانات کے دنوں میں رات گئے تک پڑھتے، کلاس میں ہر سال پہلی تین پوزیشن میں سے ایک ضرور لیتے۔ میں بلاخوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں امتحانات کے دنوں میں چند طلباء جو رات کو سب سے آخر میں سوتے، ان میں ایک نام مکرم احسان اللہ فاروقی بھائی کا بھی تھا۔ میں نے کئی دفعہ یہ عزم کیا کہ آج میں نے ان سے پہلے نہیں سونا، لیکن کبھی اس عزم میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مطالعہ کتب کے سوا اور کوئی شغل نہیں تھا۔ کھیلوں میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔

طبیعت سادہ اور قدرے ظریفانہ تھی، لیکن ظرافت میں کبھی تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ اصلاح کے جذبے سے سرشار رہتے۔ کلاس میں کوئی غلط حرکت دیکھتے تو ضرور نکیر کرتے۔ جامعہ میں نماز باجماعت میں تاخیر پر سرزنش ہوتی تھی، لیکن مجھے نہیں یاد کہ کبھی ان کی تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہو۔ صورت وسیرت نمونہ سلف تھی۔ ۱۹۹۱ یا ۱۹۹۲ء میں جامعہ میں داخل ہوئے اور پھر مسلسل سات یا آٹھ سال کے بعد یہیں سے ۱۹۹۸ میں فارغ ہوئے۔"

ان کے ایک اور ہم جماعت قاری امجد مسعود میر محمدی حفظہ اللہ لکھتے ہیں :

"محترم احسان اللہ فاروقی صاحب کے ساتھ تقریباً ۷ سال گزارنے کا موقعہ ملا، کلاس میں اساتذہ کرام کے اسباق انتہائی توجہ کے ساتھ سنتے اور سمجھتے، مناسب موقعہ پر سوالات بھی کرتے تھے، کلاس کے علاوہ بھی زیادہ تر وقت کتب میں مگن نظر آتے، کلاس میں اعلیٰ پوزیشن حاصل کرتے، اساتذہ کرام کے ساتھ نہایت ادب واحترام سے پیش آتے، ادبی واخلاقی دائرے میں رہتے ہوئے ساتھیوں سے ہنسی مزاح بھی کرتے تھے، اگر کوئی ہنسی مذاق کرتا تو جواباً مسکرا دیتے تھے، انتہائی متقی اور نیکی پسند تھے، قیام اللیل کا اہتمام فرمانے والے تھے۔ کریم النفس اور سلیم القلب تھے۔ انہی اچھی صفات کی وجہ سے انہیں جامعہ میں بطور مدرس منتخب کیا گیا تھا۔

یہ زمانہ طالب علمی کی باتیں ہیں۔ بعد میں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں علمی وعملی میدان میں بہت عزت سے نوازا تھا۔ جب بھی البیت العتیق میں جانا ہوتا تو بہت محبت واخلاق صرف استقبال کرتے اور مہمان نوازی بھی کرتے تھے۔ دوران علالت بھی جانا ہوتا تو انتہائی پیار فرماتے۔"

اساتذہ:

مولانا سلطان محمود جلال پوری، حافظ ثناء اللہ مدنی، مولانا عبد الرشید خلیق، مولانا عبد السلام فتح پوری، مولانا

رحمت اللہ، مولانا عبد الرشید راشد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رمضان سلفی، مولانا شفیق مدنی اور مولانا راناطاہر محمود حفظہ اللہ۔

مادر علمی میں تدریس:

۱۹۹۸ء میں مدرسہ رحمانیہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے کچھ عرصہ بعد تک لاہور کی ایک مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔ پھر ابو الجامعہ ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی حفظہ اللہ ورعاہ نے جامعہ کے لئے ان کی خدمات حاصل کرلیں۔ یوں اللہ نے ان کا دین پڑھنے اور پھر پڑھانے کا خواب پورا کر دیا۔ اور کسی بھی انسان کے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔ آپ نے جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) سے تدریس کا آغاز کیا تو پھر یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ پلٹ کر نہیں دیکھا۔

انداز تدریس:

آپ کا انداز تدریس انتہائی نرالا تھا، آپ سرائیکی لہجے میں اردو بولتے تو طلبہ اس سے بے حد محظوظ ہوتے۔ راقم الحروف جب "البیت العتیق" میں داخل ہوا چند ایام تو ان کے خوبصورت لہجے سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

جب بھی آتا ہے تیرے حسن تکلّم کا خیال لطف دیتا ہے تیری بات کا ہر ہر پہلو

آپ کا پڑھانے اور سمجھانے کا انداز انتہائی سادہ اور آسان فہم تھا، کوئی یہ نہ کہہ پاتا کہ مجھے سمجھ نہیں آئی، عربی گرائمر ان کا محبوب ترین مضمون تھا۔ مشکل ترین بحثیں چند منٹوں میں سمجھا دیا کرتے۔ آپ کا ایک خاص انداز تھا کہ سبق پڑھانے کے بعد سبق کے اہم نکات دو تین مرتبہ انگلیوں پر گنوا دیا کرتے۔ اسی طرح اگلے دن سبق پڑھانے آتے تو پچھلا سبق ویسے ہی انگلیوں پر دہراتے۔ اس طرح سبق طلبہ کے ذہن میں راسخ ہو جاتا۔

دوران سبق ہر طالب علم پر آپ کی نظر ہوتی، کبھی اچانک کسی لڑکے سے کوئی سوال پوچھ لیتے، یوں طلبہ ان کے سبق میں چوکنے رہتے تھے، کوئی لاپرواہی نہیں کرتا تھا۔ کلاس میں اتنی بلند آواز سے بولتے کہ پوری کلاس میں ان کی آواز گونجتی تھی، کوئی طالب علم یہ بہانہ نہ بنا سکتا تھا کہ مجھے سمجھ نہیں آئی۔ اسی مناسبت سے ایک لطیفہ پیش خدمت ہے:

"آپ ہمیں مشکوۃ شریف پڑھا رہے تھے ایک لڑکا کسی سے بات کر رہا تھا، استاد جی نے پوچھا کیا بات ہے؟؟ اچانک سوال ہونے پر وہ بوکھلا گیا، کہنا لگا: استاد جی آپ کی آواز نہیں آرہی۔ آپ مسکرائے اور فرمانے لگے او نامرادا! تو نے میرا ۱۵ سالہ ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ مجھے آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ کی آواز نہیں آرہی۔"

انتظامی امور میں آپ کی خدمات:

شیخ فاروقی صاحب شروع سے ہی جامعہ میں تدریسی امور کے علاوہ کئی انتظامی امور سے منسلک رہے اور انہیں خوب ذمہ داری و دیانتداری سے انجام دیا۔

بحیثیت مدیر تعلیم:

شیخ فاروقی رحمہ اللہ مرکز البیت العتیق کے مدیر التعلیم مقرر ہوئے تو آپ نے اس ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔ اساتذہ کے ساتھ آپ کا رویہ انتہائی مشفقانہ، دوستانہ اور محبت بھرا ہوتا تھا۔ چھوٹے اور بڑے اساتذہ میں فرق نہیں رکھتے تھے، چھوٹے اساتذہ کو بھی اپنے برابر ہی سمجھتے۔ اگر کبھی کوئی استاد تاخیر سے آتا تو اپنے خاص انداز میں پوچھ گچھ بھی کر لیا کرتے، اساتذہ کو محسوس بھی نہ ہوتا کہ ہم سے پوچھ گچھ کی گئی ہے، شیخ فاروقی صاحب اپنے سے بڑی عمر کے اساتذہ، سفید ریش شیوخ الحدیث اور حتیٰ کہ اپنے اساتذہ سے بھی پوچھ گچھ کرنے میں ذرا نہیں گھبراتے تھے، ان کے سامنے اپنی ذمہ داری مقدم تھی۔

آہ! جس کی حکمت پر ہر اہل وطن کو ناز تھا　　بجھ گئی وہ شمع جس پر انجمن کو ناز تھا

طلبہ کے ساتھ بھی ان کا رویہ بے حد مشفقانہ اور محبت بھرا تھا، اس کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت میں عجیب قسم کا رعب بھی تھا، کوئی طالب علم اگر کسی کوتاہی کا شکار ہوتا تو اپنے خاص انداز سے اس کی سرزنش بھی کرتے، مار پیٹ سے بہت حد تک پرہیز کرتے، کبھی کبھار مارنا پڑ جاتا تو اپنے ہاتھ سے جسم پر ہلکا ہلکا مارتے کہ طالب علم کو احساس ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ آپ سے شدید محبت کرتے ہیں۔

کوئی طالب علم پڑھائی میں کمزور ہوتا تو نہ صرف اسے برداشت کرتے بلکہ اسے طریقے بتاتے کہ طالب علم اپنی کمزوری پر قابو پا لیتا، البتہ غیر حاضری کرنے والے طلبہ کو کبھی برداشت نہیں کرتے تھے انہیں سزا دیتے۔ اگر کوئی طالب علم زیادہ غیر حاضری کرتا تو اس کے گھر والوں سے رابطہ کرتے اور انہیں آگاہ کرتے، اس طرح باقی طلبا کے بھی کان کھڑے ہو جاتے۔

جب امتحانات قریب آتے تو ایک ڈیڑھ ماہ پہلے ہی طلبہ کو جمع کر کے وعظ و نصیحت کرتے، اسلاف کے واقعات سناتے، اس طرح محنت کرنے کی ترغیب دیتے، مزید ۹۰ فیصد نمبر حاصل کرنے والے طلبہ کے لیے ماہانہ ۵۰۰ روپے وظیفہ کا اعلان کرتے، جس سے طلبہ میں شوق کی بجائے جنون پیدا ہو جاتا۔

جب تک شیخ فاروقی صاحب مدیر التعلیم رہے ۹۰ فیصد نمبر لینے والے ہر طالب علم کو ماہانہ ۵۰۰ سو روپیہ

وظیفہ دیا جاتا تھا۔ میری اطلاع کے مطابق یہ وظیفہ (فنڈ) جامعہ کی طرف سے جاری نہیں ہوتا تھا بلکہ فاروقی صاحب اپنی کوشش وکاوش سے طلبہ کے لیے وظیفہ کا انتظام کیا کرتے تھے۔

گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر آتے ہوئے کسی طالب علم کو پکڑ لیتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیتے اس سے چند سوالات پوچھتے اگر کوئی طالب علم کمزور ہوتا تو اسے انتہائی دردمندی کے ساتھ احساس دلاتے۔ ان کے اس عمل سے پتہ نہیں کتنے ہی طلبہ کی زندگیاں بدل گئیں۔

اس بار جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا ہے　　چڑیوں کو بہت پیار تھا اس بوڑھے شجر سے

بحیثیت مدیر مطعم:

شیخ فاروقی صاحب طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے اور ان کے لیے بہترین سے بہترین کھانے کا انتظام کرتے تھے۔ آپ کے دور انتظام میں بہت کم ایسا ہوا کہ کھانا کم پڑ گیا ہو اور طلبہ نے پیٹ بھر کھانا نہ کھایا ہو، اگر طلبہ کی تعداد بڑھنے کے سبب کبھی ایسے ہو جاتا تو اگلے ہی دن کچن میں کھانا زیادہ پکانے کا آڈر کر دیتے۔ انہوں نے پورے ہفتے کے لیے ٹائم ٹیبل طے کیا ہوا تھا کہ فلاں دن فلاں ڈش پکے گی، یوں طلبہ کو اپنی پسندیدہ ڈش پکنے کا انتظار رہتا، خاص طور پر بریانی طلبہ کی محبوب ترین ڈش تھی اور اس کا اہتمام بھی اتنی ہی توجہ اور فکر مندی سے کیا جاتا۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ بریانی کا یہ انتظام جامعہ کی طرف سے نہیں ہوتا تھا بلکہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی کاوش تھی، وہ ہر ہفتے کسی صاحب ثروت سے رابطہ کرتے اور انہیں اس طرف توجہ دلاتے کہ مدرسے میں اللہ کے مہمان ہیں ان کی ضیافت کے لیے بریانی کا اہتمام کر دیجیے، تو یوں یہ سلسلہ لمبا عرصہ چلتا رہا۔

اگر کسی طالب علم کو کھانا نہ ملا ہوتا یا کوئی اور مسئلہ ہوتا تو وہ شیخ فاروقی صاحب کا دروازہ کھٹکھٹاتا تو اسے اپنی مراد مل جاتی، انہوں نے چیز کے ہوتے ہوئے کبھی انکار نہیں کیا اور اولاد کی تربیت بھی ایسے ہی کی۔

شیخ محترم بحیثیت باپ:

ہر باپ کو ہمیشہ یہی فکر ہوتی ہے کہ میری اولاد کا مستقبل سنور جائے، وہ اولاد کے روشن مستقبل کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کر دیتا ہے۔ شیخ محترم نے اپنی ساری اولاد کو دین کی طرف ہی لگایا تھا۔ دونوں بڑے بیٹوں اور بیٹی کو درس نظامی مکمل کروایا، قراءات پڑھائیں، عصری تعلیم بھی دلوائی۔ بڑے بیٹے حافظ عبد اللہ فاروقی صاحب نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان بھی اچھے نمبروں سے پاس کیا اور ساتھ ساتھ مشہور مصری استاذ قراء سے قراءات و تجوید کی تعلیم بھی لیتے رہے۔ دوسرے بیٹے حافظ ثناء اللہ فاروقی صاحب مرکز البیت

العتیق میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد اپنے والد ماجد کی طرح اپنی مادر علمی میں ہی تدریس کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔

شیخ محترم کو ہر باپ کی طرح اپنے بچوں سے بے انتہا محبت تھی، لیکن پڑھائی کے معاملے میں بالکل بھی نرمی نہیں کرتے تھے۔ اگر ان سے کبھی کوئی کوتاہی ہوتی تو عام طلبہ کی نسبت اپنے بچوں کی زیادہ سرزنش کرتے۔ روزانہ کی بنیاد پر ان کو مطالعہ کرواتے، دن میں پڑھے ہوئے سارے اسباق اچھی طرح حل کرواتے۔ کلاس سے ہٹ کر انفرادی تعلیم بھی دلواتے رہے تاکہ اپنی اولاد کی علمی بنیادوں کو مضبوط کر سکیں کیونکہ وہ جانتے تھے یہی اولاد تو ان کا سرمایہ ہے۔

غیر نصابی کتابوں کے مطالعے کے لیے اپنے بیٹوں کو الگ الگ پیسے دیتے کہ اردو بازار سے اپنی اپنی پسند کی کتابیں خرید لاؤ۔ ایک دن کلاس میں بتانے لگے کہ میں ان کو کتابیں لینے کے لیے اردو بازار بھیجتا ہوں تو عبد اللہ نحو وصرف کی کتابیں خریدتا ہے اور یہ ثناء اللہ ناول خرید لاتا ہے، کیا نرالے انداز تھے میرے شیخ کے!

شیخ محترم کے بڑے بیٹے حافظ عبد اللہ فاروقی جو اب مدینہ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، پچھلے دنوں سالانہ چھٹیوں پر گھر آئے تو اگلے ہی دن ابو جان سے پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"مدینہ یونیورسٹی سے چھٹی پر گھر آیا تو اگلے ہی دن جامعہ فاروقیہ میں (یعنی والد گرامی مولانا احسان اللہ فاروقی حفظہ اللہ کے پاس) داخلہ لے لیا۔ شامل نصاب کتب درج ذیل تھیں:

تفسیر سعدی، مشکوۃ المصابیح، شرح صحیح البخاری، کافیہ لابن حاجب، شذ العرف فی فن الصرف، علم العقیدۃ اور علم الفقہ سے متعلق بعض کتب۔

ابو جی سبق سناؤں

یہ وہ سوال تھا جو پچھلے نو سال میں جب بھی میں نے یہ سوال کیا تو اس کا جواب کچھ یوں ہوتا: جی کیوں نہیں! یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ میں بیٹھا ہی اس لیے ہوں۔ سو کے اٹھے ہوں، سفر سے واپس آئے ہوں، گھنٹوں میٹنگ سے اٹھ کر آئے ہوں یا بیماری کے ایام ہوں ہر حال میں یہی جواب ہوتا۔

جب میں نے درس نظامی کا آغاز کیا تو والد صاحب نے حکم دیا آپ مطالعہ گھر کیا کریں گے، لہذا میں نے مطالعہ کے انچارج سے اجازت لی اور روزانہ مطالعہ والد صاحب کے پہلو میں بیٹھ کر کرنے لگا۔ مطالعہ شروع کرنے سے پہلے ہمیشہ یہ سوال کرتے کہ آج کتنے اسباق ہوئے ہیں اور ہر کتاب کے بارے میں پوچھتے کہ کتنا سبق پڑھا ہے؟ پھر ترتیب سے ہر ایک کتاب کا سبق سنتے جاتے حتی کہ تجوید و قراءت

کے سبق بھی سنتے۔

تیسری کلاس میں پہلی مرتبہ والد صاحب کا ہدایۃ النحو کا پیریڈ ہمارے حصے میں آیا۔ فرمانے لگے یہ کتاب میں سولہویں دفعہ آپ کو پڑھا رہا ہوں۔ سال کے شروع میں مجھے حکم دیا کہ اگر ہدایۃ النحو سمجھنا چاہتے ہو تو اس کی شرح "ارشاد النحو" کا مطالعہ کر کے آیا کرو۔ ایک دن میں نے کہا آپ نے مجھے ارشاد النحو پڑھنے کا حکم دیا ہے مگر آپ کو کبھی پڑھتے نہیں دیکھا، فرمانے لگے: مجھے یہ کتاب زبانی یاد ہے۔

جامعہ سے آٹھ سال کا نصاب مکمل کر کے فارغ ہوئے اور اگلے سال تدریس شروع کی تو پھر وہی روٹین کہ جو اسباق پڑھانے ہیں وہ پہلے والد صاحب کو ہر حال میں سنانے ہیں۔

ابھی ایک سال مکمل ہوا تھا کہ مدینہ یونیورسٹی داخلہ ہو گیا۔ جب بھی گھر فون کیا تو یہ سوال ضرور ہوتا کہ آج کونسی کتاب پڑھی ہے؟ استاذ کا سبق یاد کر کے گئے تھے؟ کلاس میں ٹائم پر پہنچے تھے؟۔

خیر سمیسٹر مکمل ہونے پر چھٹیوں میں گھر آیا تو ادارے میں جامع ترمذی پڑھانے کا موقع ملا تو پھر وہی روٹین۔ دوسری کلاس کے آغاز ہی سے یہ عادت ڈال دی کہ اپنے سے جونیئرز کو پڑھایا کرو اور جو پڑھانا ہے وہ پہلے مجھے سنا کر جانا ہے۔ یہ فقط میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ میرے دوسرے بہن بھائیوں سے بھی یہی طریقہ تھا۔

آج ان کی قبر کی پر آیا تو کتاب بھی ساتھ لے آیا، مگر دل بوجھل ہونے کی وجہ سے یہ نہ کہہ سکا۔۔۔

"ابو جی سبق سناؤں؟۔"

اخلاق وعادات وخصال:

شیخ فاروقی رحمہ اللہ خوش اخلاق، ملنسار، خیر خواہ، صلہ رحمی کرنے والے ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے اپنے خاندان کے کئی عزیز واقارب کو مدرسہ رحمانیہ میں داخل کروایا اور ان کی تعلیم وتربیت کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کی ضروریات کو بھی پورا کرتے رہے۔ جن میں قاری عمر وزیر فاروقی (ریسرچ سکالر پیغام ٹی وی) قاری عصمت اللہ فاروقی، قاری عارف فاروقی وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

توکل علی اللہ

شیخ رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے آخری پانچ سال جس کرب میں گزارے ہیں اسے تصور میں نہیں لایا جا سکتا، لیکن اس مرد مجاہد کے ہمت وحوصلے پر آفرین ہے کہ کبھی زبان سے اپنی بیماری کا شکوہ نہ کیا، ہمیشہ ان کی

زبان سے یہی الفاظ سنے: ”میرا اللہ مجھے ضرور شفا دے گا۔ آخری دم تک اسی یقین اور امید پر مستقیم رہے اور بالآخر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

طلبۃ العلم سے محبت:

اساتذہ کی اپنے طلبہ سے محبت کی ریت تو صدیوں پرانی ہے لیکن شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کا الگ ہی انداز تھا، اپنی جان سے زیادہ اپنے طلبہ سے محبت فرماتے تھے۔ دوران علالت کبھی دل بے چین ہوتا تو اپنے بیٹوں سے کہتے مجھے جامعہ میں لے چلو۔ جامعہ میں تشریف لاتے اور طلبہ کو اپنے گرد جمع کر لیتے، دیر تک ان سے باتیں کرتے، پڑھائی کے حوالے سے قیمتی نصیحتیں کرتے۔

برادر مکرم حافظ شہریار الخذیفی لکھتے ہیں:

آپ طلباء سے بہت شفقت کرتے تھے، ہر وقت طلباء سے تعاون اور ان کی مدد کے لیے فکر مند رہتے۔ بیماری کے ایام میں بھی پروگراموں میں تشریف لاتے حتیٰ کہ جب چلنے سے قاصر ہو گئے تو فرماتے کہ مجھے چارپائی سمیت اٹھا کر مسجد میں لے جاؤ، میں آپ کا پروگرام دیکھنا چاہتا ہوں۔ لیٹ کر سارا پروگرام دیکھتے۔

کتاب دوستی:

کتاب بینی شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ مشغلہ تھا چاہے آپ کا زمانہ طالبعلمی ہو یا زمانہ تدریس۔ آپ کے ہم جماعت دوستوں کی گواہی ہے کہ آپ روزانہ رات گئے تک کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ زمانہ تدریس میں بھی اپنے طلبہ کو کتابوں کے مطالعے کی ترغیب دلاتے۔ عربی گرائمر استاد گرامی کا محبوب ترین مضمون تھا۔ کہا کرتے تھے کہ میرے پاس نحو وصرف کی ۱۰۰ سے زائد کتابیں ہیں۔ جب کسی کلاس میں کوئی گرائمر کی کتاب پڑھاتے تو طلبہ کو بھی مقرر شدہ کتاب کی شروحات خرید لانے کا کہتے اور پھر فرماتے کہ روزانہ اضافی طور پر اس کو پڑھیں اس سے فوائد اکٹھے کریں۔

آپ کے شاگرد حافظ شہریار الخذیفی لکھتے ہیں :

”شیخ محترم ہمیں نحو وصرف کا اجراء کرواتے تھے۔ اس ایک پیریڈ کی تیاری کے لیے استاد جی نے پوری کلاس کو ایک نحوی صرفی تھیلا بنانے پر مجبور کر دیا، جس میں اعراب القرآن، الیاقوت والمرجان، القاموس، مختار النحو، علم النحو، قواعد النحو، تسہیل النحو، ارشاد النحو، کتاب النحو، ھدایۃ النحو اسی طرح

صرف ونحو کی بہت سی اور بھی کتابیں اکٹھی کروائیں اس سلسلے میں کئی اسلامی مکتبوں کا تعارف ہو گیا۔"

مادر علمی سے بے مثال محبت:

دنیا میں بہت کم ایسے لوگ دیکھنے کو ملتے ہیں کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کسی ادارے کے نام کر دی ہو۔ آپ ۱۹۹۱ میں جامعہ لاہور الاسلامیہ میں پڑھنے آئے، سنہ ۱۹۹۸ میں فراغت کے بعد یہیں تدریس کا آغاز کیا اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے کبھی پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا، اپنے شب و روز بھرپور محنت و مشقت کے ساتھ جامعہ کے نام کر دیے۔ سنہ ۲۰۲۴ء میں اپنی زندگی کے ۳۴ سال ادارے کے نام کرتے ہوئے داغ مفارقت دے گئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

استاذی المکرم مولانا عبد الرشید تونسوی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ البیت العتیق) شیخ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی جامعہ سے محبت، وابستگی اور خلوص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے فاروقی صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ ایک پارٹی میرے پاس آئی کہ ہمارے پاس چار کنال میں بلڈنگ بنی ہوئی ہے، آپ اس کا اس کا انتظام وانصرام سنبھالیں اور وہاں مدرسہ کی آبادکاری کریں۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ وہ پلاٹ البیت العتیق کے نام کر دیں تو پھر ہم اس کا انتظام سنبھال لیں گے۔

ان کے لخت جگر قاری ثناء اللہ فاروقی صاحب کا بیان ہے کہ

"والد محترم جب بیمار ہوئے تب سے حکماً کہا کرتے تھے کہ بیٹا! میرا جنازہ بیت العتیق سے ہی اٹھنا چاہیے، یہاں میری تیاری اور جنازہ کا اہتمام کرنا میں یہ بات تقریباً تین سال سے سنتا آرہا تھا۔ بلکہ کئی ایک مرتبہ میں نے ان کی دعا میں بھی سنا: یا اللہ! مجھے اسی مرکز میں موت دینا۔"

اہل وعیال:

آپ کی اہلیہ محترمہ حافظ قرآن، صابرہ، شاکرہ، وفاشعار صالحہ خاتون ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ آپ کو تین بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا ہے، حافظ عبد اللہ فاروقی، حافظ ثناء اللہ فاروقی، حسین فاروقی اور مریم فاروقی۔

دونوں بڑے بیٹے اور بیٹی حفظ قرآن، قراءات عشرہ کبریٰ اور درس نظامی مکمل کر چکے ہیں اور بڑے بیٹے حافظ عبد اللہ فاروقی یہاں سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں، دوسرے نمبر کے بیٹے حافظ ثناء اللہ فاروقی جامعہ سے پڑھ کر یہیں تدریس کر رہے ہیں۔

دونوں بیٹوں اور اہلیہ محترمہ نے جس قدر ان کی خدمت کی ہے قابل تحسین ہے، شیخ رحمہ اللہ کے ہفتے میں تین دفعہ گردے واش ہوتے تھے طبیعت میں اتنی نقاہت ہو چکی تھی کہ خود چلنا تو دور کی بات اٹھ کے بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ بیٹے حافظ ثناء اللہ اور اہلیہ محترمہ ہی ان کو ہسپتال لے کے جاتے واپس لاتے اور باقی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے۔

ایام بیماری اور جامعہ کا حسن سلوک:

شیخ صاحب کے آخری پانچ سال بستر علالت پر گزرے، یہ کوئی تھوڑا عرصہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جامعہ البیت العتیق کی انتظامیہ بالخصوص استاد گرامی ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ (مدیر الجامعہ) کو جنہوں نے شیخ کے علاج معالجہ اور گھریلو ضروریات کو پورا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ (جزاهم الله خيرا)

وفات، نماز جنازہ اور تدفین:

۴ ستمبر ۲۰۲۴ء بروز بدھ روٹین کے مطابق شیخ فاروقی صاحب کو گردے واش کروانے کے لیے ہسپتال لے جایا گیا لیکن طبیعت کی خرابی کے باعث اس دن ڈیلسز کا عمل مکمل نہ ہو سکا اور گھر واپس آ گئے۔ رات ۱۱ بجے کے بعد طبیعت مزید بگڑ گئی پھر سنبھل نہ سکی اور پیغام اَجل آ پہنچا۔ رات بارہ بجے کے قریب اپنے خالق حقیقی جا ملے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت کے مطابق ان کے استاد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ نے ان کی پہلی نماز جنازہ ۵ ستمبر بروز جمعرات صبح ۸ بجے جامعہ البیت العتیق میں پڑھائی۔ نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں علماء ومشائخ اور مرحوم کے تلامذہ نے شرکت کی۔ بعد ازاں ان کے جسد خاکی کو جامعہ کی انتظامیہ اور اساتذہ کی معیت میں ان کے آبائی علاقہ بستی گٹ، تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان لے جایا گیا وہاں نماز مغرب کے بعد ان کے فرزند عزیز قاری ثناء اللہ صاحب کی امامت میں ان کی دوسری نماز جنازہ ادا کی گئی اور وہیں ان کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر — خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو تیرا — نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو تیرا
آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے — سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 55 No. 3
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

- **عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں**
  لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- **علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں**
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- **غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے**
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- **تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے**
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- **آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے**
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- **جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے**
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث** لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۱۰۰ روپے
- زرِسالانہ ۶۰۰ روپے

Designing: AK 0321-4966404

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700